بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کڈپہ میں اردو

از سنہ ۱۱۲۰ھ تا سنہ ۱۳۷۵ھ 1715ء 1957ء

مولانا ظہیر احمد باقوی راہیؔ فدائی

ترتیب و مقدمہ:

یس ایوب احمد باقوی ایم اے

نام کتاب	"کڈپہ میں اردو"
تعداد	ایک ہزار
قیمت	ڈیلکس ایڈیشن /40 Rs؛ معمولی /30 Rs
مطبع	ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز۔ مدراس 2
سنِ اشاعت	۱۴۱۳ھ م 1992ء
مصنف	مولانا ظہیر احمد باقوی راہی فدائی
زیرِ اہتمام	علیم صبا نویدی: 26 امیر النساء بیگم اسٹریٹ مونٹ روڈ۔ مدراس۔ 002 600
کتابت	محمد شریف برکاتی 12 محمد پورہ دوسری گلی آمبور (این اے اے) 802 635
ترتیب و مقدمہ	ایوب احمد باقوی۔ ایم اے

ملنے کے پتے:

۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	دہلی، بمبئی۔ علیگڈھ۔
۲۔ شب خون کتاب گھر	رانی منڈی۔ الہ آباد۔
۳۔ مکتبہ کہسار	برہ پورہ۔ بھاگلپور۔ بہار۔
٤۔ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز	26 امیر النساء بیگم اسٹریٹ مونٹ روڈ، مدراس 002 600
۵۔ مکتبہ توازن	نیا پورہ، مالیگاؤں۔ (ناسک)
۶۔ ابوالحسان اکاڈمی	6/184۔ برہان الدین اسٹریٹ۔ کڈپہ 001 516
۷ مولانا جعفر حسین صاحب باقوی	12/4۔ کریا چاری اسٹریٹ۔ ویلور 12 (این اے)

مکرمی و مشفقی جناب شمس الرحمٰن فاروقی زید مجدہ

و

صدیق صادق ڈاکٹر محمد علی اثر زید اقبالہ

و

یارِ غمخوار جناب عقیل جامد زید کرمہ

خدایا مطلعِ انوارِ رحمت ساز جانم را
کلیدِ مخزنِ انوارِ دل گردان زبانم را

• پروفیسر ایوب احمد باقوی ایم اے

مقدّمہ

بحمداللہ یہ بات اب تاریخی حقیقت بن چکی ہے کہ زبانِ اردو ابتدائے آفرینش ہی سے اہلِ دل صوفیا کی آغوشِ تربیت میں نشو ونما پاتی رہی اور اس کی داغ بیل ان بے سرو سامان فقیروں کے ہاتھوں پڑی تھی۔ جن کے نقوشِ پا کی ضو پاشی دشت وصحرا کے ہر نشیب و فراز کو اور شہر و قریہ کے ہر کوچہ و بازار کو بلا امتیازِ من و تو یکساں طور پر منوّر کر رہی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کے قدیم ممالک بیجاپور و گولکنڈا اور مشہور مراکز دہلی و لکھنؤ سے ہٹ کر جنوب بعید کے شہروں اور قصبوں میں بھی اردو صدیوں سے نہ صرف پہنچی رہی بلکہ خوب پھلتی اور پھولتی رہی ہے۔ اس دعوی کے ثبوت کے لیے "کڈپہ میں اردو" (۱۱۲۰ھ تا ۱۳۷۰ھ) کا مطالعہ کافی و شافی ہوگا۔ کیوں کہ یہاں ایک طرف دریائے سدھوٹ اور کڈپہ سے وابستہ ادباء و شعراء اور دوسری طرف آستانوں اور خانقاہوں کے پروردہ علماء و صوفیاء اردو زبان کی ترقی و ترویج میں برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ بمصداق "قطرہ قطرہ بہم شود دریا" ان دور افتادہ شہروں اور قریوں کی ادبی تاریخ، اس عظیم تاریخِ ادبِ اردو کے بحرِ ذخّار کا جزو لاینفک ہے، جس کے بغیر انسان کی تاریخ کامل و مکمل نہیں کہی جاسکتی لہذا یہاں کے ہر قطرے میں اصحابِ بصیرت کو ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا، بشرطیکہ دیکھنے کی مخلصانہ سعی کی جائے۔ بقولِ حضرت وفا بختیاری: ؎

بایں دیوانگی اتنی بصیرت مجھ کو حاصل ہے　　اٹھا کر ایک قطرہ نبضِ طوفاں دیکھ لیتا ہوں

حضرت راہی کی یہ معرکہ آرا پیشکش "کڈپہ میں اردو" کئی اعتبار سے قابلِ دید اور لائقِ داد و تحسین ہے۔ اس کتاب میں جملہ اکیسں شعراء کا تذکرہ شامل کیا گیا ہے، جس میں قدیم ترین شاعر محمد ابنِ رضا، مترجم قصیدۂ بردہ اور سب سے آخر میں لعل خان ادیب کڈپوی ہیں۔ گویا مولانا نے تقریباً تین سو سالہ ادبی تاریخ کے تانے بانے جوڑتے ہیں اور کئی گمشدہ کڑیوں کو دریافت کرکے انھیں اگلے پچھلے حلقوں کے ساتھ جوڑ کر سلسلۃ الذہب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ مثلاً آپ نے پہلی بار حضرت شہمیر اول کے والد حضرت شاہ جمال (اول) کا کلام پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ نوراللہ بادشاہ قادری برادرِ حضرت شہمیر اول کا اردو کلام اور آپ کی نثر کے نمونے براہِ راست حوالوں سے پیش کرنے کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت شاہ مخدوم اللّٰہی کا کلام اور آپ کا رسالہ "کلمۃ الحقائق" کا تفصیلی ذکر مذکور ہے جو کسی تذکرہ میں نہیں دیکھا گیا۔ مولانا نے شعراء کی ترتیب میں سنِ تصنیف کا لحاظ رکھا ہے۔ جہاں سنِ تصنیف معلوم نہ ہو وہاں سنِ وفات کا اعتبار کیا ہے۔ اگر دونوں امور پردۂ خفا میں بھی ہوں تو شاعر کے عہد کا لحاظ کرتے ہوئے ترتیب میں شامل کیا ہے۔ مثلاً ابن رضا، ابنِ جعفر وغیرہ کے تعلق سے ان کے ممدوح نوابانِ سدھوٹ کی تاریخوں سے ان کے عہد کا تعین کیا گیا ہے۔ یہ بڑی جرأت و قابلیت کی علامت ہے۔ اس تذکرہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں واقعات کو نہ صِرف اُس کے اپنے اصل ماخذ سے لیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ تاریخی تطبیق کی بھی سعی بلیغ کی گئی ہے۔ مزید براں مولانا نے ہر شاعر پر اپنا جچا تلا جامع تبصرہ رقم فرمایا ہے۔ جس سے آپ کی تنقیدی بصیرت کا علم ہوتا ہے۔ اور قاری کے سامنے کلام کے افہام کی راہ کھل جاتی ہے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود کوئی بھی تحقیق حرفِ آخر نہیں ہوتی، تحقیق دراصل تاریکی میں لکڑیاں اکٹھا کرنے کا عمل ہے۔ جس میں رطب کے ساتھ یابس کے در آنے کا امکان رہتا ہے۔ تحقیق منزل نہیں بلکہ نشانِ منزل ہوتی ہے۔ اسی لیے

تحقیق کے لیے راہ نمائی کا کام سر انجام دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اس
ت من عرف گنج بخش کا ذکر اس حیثیت سے کیا گیا ہے کہ آپ کا کلام
ڑپہ کی ادبی تاریخ میں آپ کا منفرد و بلند و بالا مقام ہوتا۔ مولانا نے ایک
اد فرمایا کہ ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد کے کتب خانے کے ایک
لسی نا معلوم شاعر کی نظم دریافت ہوئی جس میں من عرف بطورِ خطاب
ل کیا گیا ہے۔ جس کی نشان دہی نصیر الدین ہاشمی نے کی ہے۔ مولانا نے
طباعت کے مرحلے میں ہے اس لیے اس وقت مزید اضافہ کی گنجائش
ے پتہ چلتا ہے کہ تحقیق کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ جو بھی آگے بڑھ کے اٹھا لے
ہو گا۔

سی طرح صادق کڈپوی کا نام ڈاکٹر افضل الدین اقبال صاحب نے اپنی
میں اردو کی نشو و نما" (ص ۶۹) میں ضمناً لیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس
نا پتہ چلا ہے کہ حضرت شاہ صادق علی چشتی القادری خلیفۂ سید شاہ
گنج البحر قدس سرہٗ (خلیفۂ خواجہ میراں حسینی خدا نما) کڈپہ سے قریب
میں آسودۂ خاک ہیں۔ آپ کا شجرۂ بیعت "شرف الانساب" ص ۴۷
کوئی تصنیف یا تخلیق آپ کی دستیاب نہ ہو سکی۔ بہر حال اس
شوں کے باوصف یہ تذکرہ نہ صرف کڈپہ کی ادبی تاریخ میں بلکہ تاریخ
ں ایک خوش گوار اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔

دائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے
لمی و ادبی تحفے کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

● علیم صبا نویدی

تعارف

تحقیق اور تنقید کا رشتہ بہت گہرا اور مضبوط رہا ہے تحقیق کے بغیر تنقید اور تنقید کے بغیر تحقیق ایک نامکمل سی تاریخ ہے۔ سقراط نے سب سے پہلے انسانوں میں تنقید کے جذبہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور ہمیشہ اپنے شاگردوں سے کہا کہ "سوچو اور پھر عمل کرو" اس دور کے یونانی حکمراں سقراط کے ہم خیال نہ ہوئے۔ انہوں نے سقراط کے نئے خیالات کو رد کرتے ہوئے اس عظیم فلسفی کی آخری سانس تک کو سزا دی۔

پیٹرارک سے پہلے روم کی کھنڈرات کوئی معنی نہیں رکھتے تھے، وہ اینٹوں اور چٹانوں کے ایک ڈھیر سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ پیٹرارک نے لوگوں کو قیصرِ روم کی یادگاروں کی طرف متوجہ کرایا اور انہیں آثارِ قدیمہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھنے اور ذہنی طور پران میں دلچسپی لینے کا فن سکھلایا۔ یہیں سے لوگوں میں تحقیق اور تنقید کا درک پیدا ہوا، اور انھوں نے اس عظیم کائنات کی عجیب و غریب اور اپنی فہم و ادراک سے بالاتر پُرپیچ کھاڑیوں میں کھو جانا اور ان پیچوں سے نکلنا سیکھا۔ نشاۃ ثانیہ نے آگ پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ نت نئی ایجادات معرض وجود میں آئیں اور تلاش و جستجو کی کرنوں سے نئے نئے انکشافات کے جزیرے رونما اور روشن ہونے لگے۔ اسی تحقیق اور تنقید کی برکت سے آج ہماری کائنات پُرنور اور دیدہ زیب اور پُرکیف نظر آنے لگی ہے۔ اسی تحقیق اور تنقید نے بڑے بڑے فن کار

شاعر، ادیب، نقاد، معمار، نقاش، سنگ تراش ایسی کھوکھ سے جنم دے، جو آسمانِ فکر وفن اور دنیا کی تاریخ ادب پہ نیّر اعظم بن کر چمکے۔

ہر فن کار کے اندر ایک نقاد بھی چھپا ہوا ہوتا ہے، جو فن کار کو ہمیشہ بیدار رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فن کار اپنے خارجی اور داخلی چیلنجوں کو قبول کرتے ہوئے ان کا مقابلہ کرتا رہتا ہے اور اپنی ایک جداگانہ راہ بناتا ہوا آگے کی سمت نکل جاتا ہے ورنہ ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی، ہومر کی رزمیہ نظمیں، مائیکل آنجیلو کی سنگ تراشی کا شاہ کار Last Judgement اور لیونارڈو ڈی ونسی کی نقاشی کا بہترین نمونہ Last supper عالم شہود پہ نہ آئے ہوتے۔ والمیکی کی رامائن، رشی ویاس کی مہابھارت، کالی داس کی شکنتلا، فردوسی کا شاہ نامہ، کبیر داس اور امیر خسرو کا فن، میر و غالب، مومن و اقبال کی شاعری وغیرہ زندہ جاوید نہ ہوئے ہوتے۔

مولانا راہی فدائی کی شخصیت اور فن اردو ادب کے وسیع تر تجزیے میں اس نور افشاں افق کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی کرنوں سے نہ صرف سرزمینِ کڈپہ (آندھرا) اور ویلور (ٹملناڈو) کے دینی مدارس بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ادبی تنقید اور علمی تحقیق کی فضائیں آج بھی روشن اور منوّر ہیں۔ راہی نے جہاں تحقیق اور تنقید میں نئے معلومات کی دائروں کو وسعت اور کشادگی بخشی ہے وہیں اپنی غزلیہ شاعری کو کشش، اور فکر حیات آفریں اظہار، جلوہ فشاں احساس اور جذبہ کی ست رنگ دھنک سے لیس کیا ہے۔ موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ کہ آپ نے شاعری کی زبان میں جانوروں کیڑے مکوڑوں سے کام لیتے ہوئے آج کے معاشرے کی اصلاح کی ہے۔ آپ نے بندر نچاتے ہوئے، اُلوؤں کے نقاب گراتے ہوئے، بچھوؤں سے ڈنک پہ ڈنک لگاتے ہوئے آج کے انسانی ذہن میں جنم لینے والی درندگی کی بخوبی منظر کشی کی ہے۔

راہی فدائی کی شعری تخلیقات سے ہٹ کر نثری تالیفات پہ نظر جاتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ مولانا نے یہاں بھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا بہترین ثبوت دیا ہے۔ آپ کی تالیفات میں سے پہلی تالیف "مسلکِ باقیات"

مطبوعہ ۱۹۹۱ء موجودہ مذہبی افراط و تفریط کے ماحول میں ایک طرح کی راہِ اعتدال کی نشاندہی کرتی ہے۔ آپ کی دوسری کتاب "تجزیہ" ہے (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) جس میں مولانائے موصوف نے اپنے گہوارۂ علمی (مدرسہ باقیات صالحات ویلور) کے بانی حضرت علامہ شاہ عبدالوہاب صاحب قادری قدس سرہٗ کے بارے میں کی گئی غلط تاریخ نگاری کا مدلل رد فرمایا ہے۔

ایک اور تالیف "باقیات ایک جہاں" (مطبوعہ ۱۹۸۳ء) میں بانیٔ باقیات اور اکابرینِ باقیات کے سوانحی اور علمی کارناموں نیز ادبی تخلیقات کو یکجا کرکے اپنی تعلیم گاہ کا بھرپور حق ادا کیا ہے۔

"اکتسابِ نظر" آپ کی چوتھی تحقیقی کتاب ہے۔ جس کے غائر مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا راہی فدائی میدانِ شاعری کے شہسوار ہی نہیں بلکہ مملکتِ نثر کے شہنشاہ بھی ہیں۔ موصوف نے بڑے انہماک اور بڑی جانکاہی سے جنوبی ہند کے چند اہم ادبی کھنڈرات اور آثارِ قدیمہ کی از سرِ نو کھدائی کی اور تلاش و جستجو کے بعد بعض پوشیدہ خزانوں کو منصۂ شہود پر لاکر دنیائے ادب کے معلوماتی ذخیرے میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ بالخصوص ولیؔ ویلوری کے تحقیقی مضمون سے موصوف کی نکتہ رسی، تعمق نظری، تحقیقی اپچ اور بلند پرواز جستجو کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا نے جس خوبی سے حجت قائم کرکے مولوی نصیر الدین ہاشمی اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے مغالطوں کو دور کیا ہے، یہ کسی عام محقق کے بس کی بات نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا راہیؔ کی اس تخلیقاتی ترقی اور ناموری میں شہر کڈپہ اور مدراس کے چند اساتذۂ کرام و علمائے عظام مثلاً حضرت مولانا سید شاہ محمد یعقوب بغدادی باقوی، حضرت مولانا محمد جعفر حسین فیضی صدیقی، حضرت مولانا قدوسی باقوی اور آپ کے شفیق استاذ اور مرشدِ روحانی شیخ التفسیر حضرت علامہ سید شاہ عبد الجبار باقوی قادری دامت برکاتہم کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کا خاص دخل رہا ہے، جس کا اعتراف بارہا راہیؔ نے کیا ہے اور راقم الحروف کی بھی یہ خوش قسمتی ہے کہ

ان حضرات کی صحبتوں سے مستفیض ہوتے ہوئے اپنی دینی، علمی اور ذہنی پیاس بجھائی ہے۔

مولانا راہی سے راقم کے تعلقات دوستانہ اور برادرانہ نوعیت کے ہیں راقم کو آپ کے اخلاص و مروت کے علاوہ مرنجان مرنج طبیعت اور صلح کل کے مزاج نے بہت متاثر کیا ہے اور اس کے علاوہ آپ کے پاس زندگی کو سنجیدگی سے سمجھنے اور برتنے کا شعور بھی ہے۔ موصوف کی یہ خوبیاں یقیناً عطائے خداوندی ہیں میرا یہ ایقان ہمیشہ رہا ہے کہ اس طرح کا تخلیقی اور آفاق گیر نقش چھوڑنے والا فن کار صرف عظیم ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ عشق محمدؐ ہی میں سرشار و مخمور بھی رہتا ہے۔ یہ صفات مولانا راہیؔ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اور وہ عشق محبوب خدا کا ایک ایسا آئینہ ہیں جس کا عکس دینی آماجگاہوں سے نکل کر اردو ادب کی بارگاہوں میں جلوہ ریز اور نقش گیر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت با برکت میں پہنچے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت خواجہ بابا فریدالدینؒ گنج شکر بھی تھے۔ (جو بہت کم سن تھے) خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے خلیفہ سے دریافت فرمایا: کہ بختیارؒ تو نے آج اس باز (بابا فرید گنج شکرؒ) کو کہاں سے پکڑا یہ تو ساتویں آسمان پر پرواز کرے گا راہیؔ فدائی کی تنقید اور تحقیق سے متعلق میرا عقیدہ بھی یہی ہے۔

آخر میں میں یہی کہوں گا کہ مولانا راہیؔ کی پیش نظر کتاب "کڈپہ میں اردو" سے تاریخ ادب اردو میں ایک زرّین باب کا اضافہ ہو رہا ہے یہ کتاب نہ صرف ایک مخصوص علاقہ کے ادب کا جائزہ ہے بلکہ اس کے توسط سے دنیائے اردو کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کرنا اور اسے مناسب مقام عطا کرنا مقصود ہے ہماری ایسی تاریخیں چاہے کسی زبان سے متعلق کیوں نہ ہوں جب تک اس میں علاقائی رجحانات کو فروغ نہیں ملے گا اس وقت تک تاریخ کا حق ادا نہیں

ہوگا۔ دہلی اور لکھنؤ کی ادبی تاریخ کی جس قدر وقعت اور اہمیت ہوگی اتنی ہی جنوب بعید کے غیر معروف شہر کڈپہ، ویلور اور آرکاٹ کی ادبی تاریخ بھی اپنی خاص قدر و منزلت اور بلند و بالا شان و شوکت کی حامل ہوگی بشرطیکہ ہمارے غیر متعصب نقادوں اور محققوں کی نظریں ہر ریاست کے فن کاروں کے کارناموں پر رہیں نہ کہ بھاری بھرکم شخصیت اور وطنیت پر ——

مدراس

۵ر اگست 1992ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کڈپہ میں اُردُو

۲۰ ۱۱ھ تا ۱۵ ۱۳۷۵ھ م 17/10-7-1957ء

کڈپہ جنوبی ہند کے صوبۂ آندھرا پردیش کا مشہور و معروف ضلع ہے جہاں تقریباً تین سو سال سے قدیم اردو یعنی دکنی پھولتی پھلتی رہی ہے۔ یہ واقعی مسرت و شادمانی کا مقام ہے کہ زبان اردو کڈپہ میں نہ صرف نوابانِ اہلِ ذوق کی درباروں کی زینت بڑھاتی رہی بلکہ صوفیائے اہلِ دل کی خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا وسیلہ بن کر فروغ بھی پاتی رہی۔

اردو ادب میں کڈپہ کا ذکر سب سے پہلے عہدِ سلطان علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے باکمال شاعر سید میراں میاں ہاشمی بیجاپوری (متوفی سنہ ۱۱۰۹ھ) کے اشعار میں ہمیں ملتا ہے۔ چناں چہ 'دیوانِ ہاشمی' مرتبہ ڈاکٹر حفیظ قتیل ص ۳۱۴ کا یہ شعر کڈپہ کے نام کے ساتھ شاعر کے تخلص کو بھی محفوظ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ؎

ونواسی، منی، چنجی رہی، کڈپہ کو آئے ہوں گے
خوش ہو تو ہاشمی نے گھاٹی چڑھے سدم کی

ہاشمی واقعتاً کڈپہ آئے ہوں یا نہ آئے ہوں مگر یہ بات تو وثوق سے ہی جا سکتی ہے کہ کڈپہ جب تالیکوٹا کی قیامت خیز و تاریخ ساز جنگ (1565ء) کے بعد سلطنتِ وجیا نگر کے تسلط سے آزاد ہوا تو کڈپہ اور اس کے اطراف و اکناف کے علاقوں پر ایک طویل عرصے تک عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے حملے اور قبضے ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ سلطان عبداللہ قطب شاہ (1626ء تا 1672ء) کے مشہور سپہ سالار

محمد سعید میر جملہ نے (١٠٥٦ھ م 1645ء) میں ان علاقوں پر حملہ کر کے بہت جلد کڈپہ اور سدھوٹ فتح کر لئے[20] میر جملہ کی معزولی کے بعد قطب شاہی سلطنت کی طرف سے مذکورہ علاقوں کے بندوبست کے لیے نامور سپہ سالار نیک نام خان (متوفی ١٠٨٣ھ م 1672ء) کا تقرّر تقریباً (١٠٦٧ھ م 1656ء) میں ہوا۔ بعد ازاں کڈپہ، سدھوٹ وغیرہ علاقوں پر حسبِ ضرورت مختلف حکّام مقرر ہوتے رہے۔ یہاں تک ١٠٩٣ھ م 1682ء میں قطب شاہی سلطنت کی جانب سے ان علاقوں کے نظم و نسق کی بحالی کے لیے مشہور و نامور سپہ سالار عبدالنبی خان کا تقرر عمل میں آیا[21] عبدالنبی خان سقوط گولکنڈہ ١٠٩٩ھ م 1687ء تک عاملِ کرناٹک کی حیثیت سے اپنے فرائض بڑی عمدگی اور حسن و خوبی کے ساتھ نبھاتا رہا، بعد ازاں اس نے مغل سلطنت کی تابعداری قبول کر لی۔ چناں چہ عالمگیر اورنگ زیب (سنہ ١٠٦٨ھ 1658ء تا سنہ ١١١٨ھ 1707ء) نے اس افغان نژاد میانہ خاندان کے فردِ فرید یعنی عبدالنبی خان میانہ کو اس کے خدمات کے اعزاز میں کرشناگری، بارا محل اور چدم برم کی جاگیریں عطا کی تھیں[22] کڈپہ اُن دنوں سدھوٹ سرکار پرگنۂ چتّور کے ماتحت قبضہ تھا۔ عہد عبدالنبی خان میں اس کی خوب ترقی ہوئی چناں چہ یہاں پر شکوہ محلات، خوب صورت باغات اور شیریں چشمے اور صاف و شفاف نہریں وجود پذیر ہوئیں۔ الغرض سلطنتِ وجیا نگر کے زوال کے بعد کڈپہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقے سلطنتِ بیجاپور و گولکنڈہ کے زیرِ تسلّط رہے ہیں۔ جہاں پر اردو زبان کی شاہانہ سرپرستی کی جاتی تھی اور اردو کو سرکاری و قومی زبان کا اعزاز بخشا گیا تھا تو اس صورت حال کے مدنظر یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بیجاپور و گولکنڈہ کی مروّجہ زبان کے اثرات ان زیرِ تسلّط علاقوں پر بھی واقع ہوئے ہوں گے۔ اس طرح کڈپہ میں اردو زبان کی شروعات ہوی ہوگی۔ اردو زبان کی شیرینی اور شائستگی کی وجہ سے یہاں کے عوام و خواص مقامی زبان تلگو (TELGU) کے ساتھ اردو کے بھی شائق ہوتے گئے۔ بالخصوص مسلمانوں کی مادری زبان کی حیثیت سے اس کا وزن و وقار کافی بڑھ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ خانوادۂ گیسو دراز بندہ نواز کے مشہور و معروف صاحبِ تصنیف بزرگ حضرت امین الدین علی اعلیٰ شیرِ خدا بیجاپوریؒ (متوفی ١٠٨٦ھ) کے نامور خلیفہ حضرت خواجہ

مَنْ عَرَفَ گنج بخشؒ عنہ اور آپؒ کے جانشین و خلیفہ حضرت خواجہ عارف فیض بخشؒ شمعِ
رشد و ہدایت کو فروزاں کرنے کے لیے شہرِ کڈپہ تشریف لائے اور پھر اسی سرزمین میں آسودۂ
خاک ہو گئے ۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان بزرگوں نے عوام ہی کی زبان میں اپنا مشن
جاری رکھا تھا ۔ چناں چہ سلسلۂ بندہ نواز کے تمام صوفیائے کرام دکنی زبان کے نہ صرف واقف
کار تھے بلکہ اصحابِ تصنیف بھی رہ چکے ہیں ۔ کیا بعید ہے کہ حضرت خواجہ مَنْ عَرَفَ گنج بخشؒ اور
آپ کے خلیفے خواجہ عارف فیض بخش بھی صاحبِ تصنیف رہے ہوں اور کسی وجہ سے اُن
کی کتابیں ناپید ہو گئی ہوں ۔ اس قیاس کی تائید میں بطورِ ثبوت حضرت خواجہ عارف فیض بخش
کے خلیفہ حضرت خواجہ سید امین کی تصنیف " مجذوب السالکین " کا حوالہ دیا جاسکتا ہے ۔ جو
ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد کا مخزونہ ہے ، اس کی تفصیل اس طرح درجِ فہرست ہے :

(۱۸۱) " مجذوب السالکین " (۶۸۰) اوراق (۶۵) سطور (۱۱) تقطیع (۳/۴ ۵ × ۳/۴ ۸)
خط نستعلیق ۔ عنوان سرخی میں ۔ مصنف : سید امین ، زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ ، سنہ
کتابت قریب ۱۲۳۳ھ یہ دکنی نثر میں ضخیم رسالہ ہے جس میں جگہ جگہ فارسی ، ہندی ، مرہٹی اور
دکنی اشعار و اقوال اور عربی آیات و احادیث درج ہیں ۔ مصنف نے اپنا اور اپنے مرشد کا
نام اور مشرب ، سببِ تالیف میں اس طرح لکھا ہے :

" سید امین فقیر ، بندہ شاہ خواجہ عارف گنج بخش کا ، ہور اسرار ہمارا امینیہ ہور
سلسلہ ہمارا خواجہ خواجگانِ چشت .... ہور خواجہ بندہ نواز سے جمال مغربی ہور اُن سے
کمال بیابانی ہور اون سے میراں جی شمس العشاق ہور اون سے حضرت شاہ برہان صاحب ہور اون
سے امین الدین اعلیٰ صاحب ہور اون سے بابا شاہ حسینی صاحب ہور اون سے خواجہ مَنْ عَرَفَ
گنج بخش ہور اون سے خواجہ عارف گنج بخش صاحب ہور وہاں سے تا حد امین فقیر تک عنہ "

ڈاکٹر حسینی شاہد نے حضرت خواجہ مَنْ عَرَفَ گنج بخش کو براہِ راست حضرت
خواجہ امین الدین علی اعلیٰ کے ساتویں خلیفہ قرار دیا ہے ۔ جس کی تائید " تذکرۃ الاعراس " کی درج
ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے :

" بست و دوم ذی الحجہ :۔ شاہ محمد عارف قدس اللہ سرہٗ قبر در آرکاٹ از خلیفۂ

جانشین ایشاں شنیدہ مرید وخلیفۂ شاہ مَن عَرَفَ و وے مرید شاہ امین الدین علی بیجاپوریؒ
(خواجہ مَن عَرَف کے خلفاء میں عارف کڈپوی کے علاوہ عارف آرکاٹی بھی ہیں۔)

بہرحال یہ بات ممکن ہے کہ "مَن عَرَف گنج بخشؒ" پہلے بابا شاہ حسینیؒ کے مرید ہوگئے ہوں پھر مرید کی صلاحیت و استعداد کے مدّنظر شیخ نے مرید کو براہ راست اپنے ہی مرشد و شیخ سے وابستہ دامن کردیا ہو جیسا کہ حضرت شاہ قربیؒ ویلوری کے ساتھ پیش آیا کہ آپ نے اپنے مرشد شیخ فخر الدین ہکری نائطی کے مرشد شیخ عبدالحق مخدوم ساویؒ (متوفی ۱۱۶۵ھ) سے بھی اجازت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔

بہرحال مذکورہ تاریخی حقائق کے باوجود ہمارے پیشِ نظر موجودہ تحقیقات کی روشنی میں جس تصنیف کو کڈپہ کی قدیم ترین اردو (دکنی) تصنیف ہونے کا اعزاز حاصل ہے وہ حاکمِ کڈپہ خان بہادر نواب عبدالنبی خان میانہ ولد عبدالرحیم خان میانہ (۱۱۱۴ھ 1702ء ۔ ۱۱۵۷ھ، 1745ء) کے درباری شاعر محمد ابنِ رضا کی مثنوی "قصیدۂ بردہ" ہے، جس کا سالِ تصنیف بقول نصیر الدین ہاشمی ۱۱۲۰ھ ہے۔

قصیدۂ بردہ، عربی کا ایک بے حد مقبول نعتیہ قصیدہ ہے جو شیخ الاسلام شرف الدین محمد بن سعید بوصیریؒ (المتوفی ۶۹۴ھ) کی تخلیق ہے۔ 'بردہ' کے معنی عربی زبان میں چادر کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مرتبہ فالج کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے سارا جسم مفلوج ہوگیا مگر دماغ و زبان محفوظ تھے، اس موذی مرض کا علاج سیکڑوں قسم سے کیا گیا لیکن کوئی صورت افاقہ کی نظر نہیں آئی تو آخر کار حضرت بوصیریؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمِ کرم کو ملتفت کرنے کے لیے بارگاہِ رسالتؐ میں فرطِ عقیدت سے اس قصیدے کو نذر کیا۔ تو دفعتاً خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حالتِ خواب میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ دید سے مشرف کئے گئے۔ خواب ہی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے قصیدہ سنانے کی فرمائش کی۔ حضرت بوصیری نے یہی قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بڑے ہی والہانہ انداز میں پیش کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعتیہ قصیدہ کو سماعت فرما کر اپنی مسرت و انبساط کا اظہار اس طرح

فرمایا کہ اپنے جسمِ اطہر پر موجود چادرِ مبارک نکالا کر حضرت بوصیریؒ کے بدن پر اُڑھا دیا۔ اُس چادر کی برکت سے آپ کا جسم یکلخت صحت مند و توانا ہو گیا۔ فرطِ مسرت سے حضرت بوصیری کی آنکھ کھل گئی، بیدار ہو کر دیکھتے ہیں تو واقعتاً آپ کا جسم پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تر و تازہ اور صحیح و سالم ہو چکا ہے۔

اس محیر العقول واقعہ کے بعد سے اس قصیدہ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور "قصیدۂ بردہ" کے نام سے سارے جہاں میں مشہور ہو گیا۔ حضرت بوصیریؒ نے اس قصیدہ کو سنہ ۶۸۸ھ میں تخلیق فرمایا تھا[۸]۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس قصیدے کے ترجمے ہوئے مگر اس کو دکنی زبان میں ترجمہ کرنے کا شرف محمد ابنِ رضا کو عطا ہوا۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق قصیدۂ بردہ کا یہی اولین اردو ترجمہ ہے۔ تا حال اس کے صرف دو نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ ایک کتب خانۂ سالار جنگ حیدر آباد کا مخزونہ ہے اور دوسرا انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ مذکورہ دونوں نسخوں کی تفصیل اس طرح ہے:

"نسخۂ مخزونہ کتب خانۂ سالار جنگ":

"ترجمۂ قصیدۂ بردہ (۳۱) ادبیات: سائز (7×5) صفحہ (26) سطر (13) خط نستعلیق: کاغذ ولایتی: مترجم کا نام: محمد بن رضا: تاریخ تصنیف: سنہ ۱۱۲۰ھ (یہ از روئے فہرست ہے ورنہ کتاب کے اوپر یا اندر کہیں بھی سالِ تصنیف مذکور نہیں ہے۔ شاید مرتبِ فہرست نصیر الدین ہاشمی نے بطورِ قیاس مذکورہ سن لکھ دیا ہے) اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ کتاب کے ابتداء میں کوئی دیباچہ نہیں، اصل ترجمہ سے شروعات ہوتی ہے البتہ ترجمے کے اختتام پہ چند اشعار مرقوم ہیں جو درحقیقت دیباچہ کے اشعار ہیں[۹]۔ اس نسخے میں نہ کوئی نثری مقدمہ ہے اور نہ ترقیمہ لکھا گیا ہے۔ اس نسخے کے برعکس انڈیا آفس لندن کے نسخے میں مختصر فارسی جملے بھی ہیں اور ترقیمہ بھی موجود ہے۔

نسخۂ لندن کی تفصیل:-

بلوم ہارٹ نمبر (32) ورق (50) سائز (5×7¼) سطر (8 تا 11)

خط نستعلیق: اصل عربی نظم سیاہی سے اور اس کے نیچے سرخ روشنائی میں ترجمہ ہوا ہے۔ ابتداء میں بزبانِ فارسی چند جملے مرقوم ہیں: "شروع قصیدۂ بردہ، باشرح دکھنی کہ احقر العباد سراپا اتحاد سید محمد کہ راہ مداد از قدم سداد ثابت است، ایں لؤلؤ آبدار از لجۂ افکار بساحلِ اظہار آوردہ برشتۂ انتظام منسلک کرد تا بزیورِ قبول خاص و عام موصول گشتہ زینتِ عرائسِ طبائع شود۔"

اور کتاب کے اختتام پر حسبِ ذیل عبارت درج ہے:۔

"تمام شد قصیدۂ بردہ بموجب امر واجب الاذعان والایقان خورشید اوجِ سخاو مہتاب برجِ صفا........ کہ

کریم ابنِ کریم ابنِ کریم است	گلِ باغِ نوابِ عبدالرحیم است
دُرِ بحر نواب عبدالنبی خان	سخیٔ باکرم ہم جود و احسان

امیر امرائے عظیم الشان یعنی نواب عبدالحمید خان سلمہ الرحمٰن...... یکے از ایشان فدوی صمیم فقیر خوانِ قدیم الراجی الی رحمت اللہ الصمد، اقل خلق اللہ سید محمد"

کتاب کے آخر میں فورٹ ولیم کالج کی مہر اردو حروف کے ساتھ ثبت ہے۔

ابتدائی اشعار:

حمد حق کا کر اول تو صفحۂ دل پر رقم	نام پاک اوس ذات کا ہے زینتِ لوح و قلم
	(اُس)
ھی سورج ہور چاند اوس کی صنع پر عادل گواہ	مہر گویا ہیں ستارے صفحۂ محضر پو کھم
(ہے) (اور) (اُس) (تخلیق)	(گویا) (صفحۂ فلک پر) (ثبت)
شکر اوس کا کب ادا ہوویگا ہم سوں جب کیا	ھی مسلّم دو جہاں کی تاجداری اوس کے تئیں
(ہوگا) (سے)	(ہے) (اس کے لیے)
مصطفیٰ سی مہرباں کوں ہم اوپر رہبر جنم	تخت گاہ لامکاں پر جو رکھیا ہے جا قدم
(سے) (کو) (ہم پر)	(تخت گاہ) (رکھا)

مرشد و شیخ کا ذکر:۔

در ذرِ بہائے سیادت شاہ عبد اللہ ہے
(سیادت کی موتیوں میں)
خاکِ راہ اوس شاہ کے درگاہ عالی جاہ کا
(اس)
خادمِ آلِ محمد یو محمد بن رضا
(یہ)
رہ رضا جوئی میں حق کے ظاہر و باطن منے
(میں)

ع

بادشاہِ ملکِ دل کا جان اوس کوں بے بہم
(اسے) (بے وہم)
ہور یقیں دل سوں اوسی کا ہے غلام بے درم
(اور) (سے) (غلام بے دام)
رحمت باری تعالیٰ جس پو ہے ہر دم بدم
(پر)
لطفِ حق سیتے اوپایا جنّت باغِ ارم
(سے)

سببِ تالیف:۔

مدعا اپنا بیان کرتا محمد ہے جو او
(وہ)
یو قصیدہ پاک جو ہے نعت خیر المرسلیں
(یہ)
جس کئے تصنیف روشن دل محمد موصلی
(جو)
شرح اوس کے تئیں کئے ہیں فارسی میں با خوش کلام
(اس کی خاطر)
اوس بدل یو خوشہ چین خرمن اہلِ کلام
(اس کے بدلے میں) (یہ)
تا کہ اوس کے فیض کوں دریافت کر خاص و عام
(اس کے) (کو)
کر دعائے خیر اوس عاجز او پر اب لطف سوں
(اس عاجز پر) (سے)

ع

دوستی کی راہ پر اب دل ستی ثابت قدم
(سے)
تھا عربی میں جو مشکل ہے اسے کرنا فہم
قدوۂ اہلِ عرب، مشہور در ملکِ عجم
مولوی جامی کہ جس کا دل اتھا جوں جام جم
(مولانا عبد الرحمان جامی) (تھا)
شرح دکھنی سوں کیا صفحہ اوپر شیریں رقم
(سے)
فرح و شادی میں رہیں فارغ ہو کر از فکر و غم
(خوشی) (فکر و غم سے)
اس خطا کے خط اوپر اصلاح کا کھینچیں قلم
(اس کی خطا کے خط پر)

اس قصیدے بُردہ کا چادر لیا ہوں سیں پہ
(کی) (سر)
حشر میں ہُوئے مجھ پناہ ہوے گا سورج گرم
(ہو مجھ کو) (ہو جائیگا)

ہوں جو میں اب دل ستی مدّاح تیرے دوست کا
(سے)
رکھ الٰہی مجھ اوپر توں سایۂ فضل و کرم
(مجھ پہ) (تو)

دوستی تجھ دوست کی ہور اس کے آلِ پاک کی
(تیرے) (اور)
دِل میں ہے ثابت مری ہور رکھ خدایا اس پہ جم
(مرے)(اور) (قائم)

ترجمہ کے اشعار :-

اے محب کر یاد توں ہمسایۂ شہر سلم
(تو)
جک کے انجواں سوں ملا جائے رکھیا لہُو دمدم
(جگ)(آنسو)(سے)(ملا کر رکھ دیا)(خون)

یا چلی باد خوشبو کاظمہ کی شہر سوں !
(کے) (سے)
یا چمک بجلی کی دیکھا رات از کوہِ ظلم
(سے)

کیا ہوا تجھ چشم کوں جو بس کہی تو روئے زیاد
(تیری آنکھ کو) (کہے) روتی ہے زیادہ
کیا ہوا تجھ دل کوں جو کہیں ہوش پا توں ہوئے ندم
(تیرے دل کو) (کہیں) ہوش میں آ) (بے دم)

ہی محمدؐ پادشاہِ دوجہانِ جِنؓ وانس
(ہیں)
پیشوائے لشکرِ مُلکِ عرب مُلکِ عجم

او خدا کا دوست ہے جس کے شفاعت کی امید
(وہ) (ہے) (کی)
سیکوہر مُحبت و مُشکل بیچ ہی ہر دَمدَم
(ہر مصیبت اور ہر تکلیف کے درمیان ہے)

سب نبیاں سوں یو نبی تھا صورت و سیرت میں خوب
(نبیوں سے یہ)
نہ کسی دُوسرے میں ایسا علم ہور مہر و کرم
(نہیں) دُوسرے) (اور)

شان اوسکا جیوں سورج جوں دور سے دستا صغیر
اس کی (جیسے) نظر آتا ہے چھوٹا
کر نجھا دیکھی تو ہوئے حیران نین ہور نور کم
(غور سے دیکھے) (آنکھ)(اور)

اختتام :-

ہو تو راضی اے خدا بوبکر ہور فاروق سوں
(اور) (سے)
ہور عثمان ہور علی سوں جو انھا صاحب کرم
(اور) (اور) (سے) (تھا)

آل ہور اصحاب ہور سب تابعیں سوں جو اتھے　　　صاحبِ تقویٰ و صافی ہور نمکیں کرم
(اور)　(اور)　(سے)　(تھے)　　　(اور)

شاخ جھاڑاں کو ہلاوے جب تلک بادِ صبا　　　خوش کریگا اونٹ کے تیں ساربان کر کر نغم
　　　(کریگا)　(کی خاطر)　(نغمے سُنا کر)

بخش یارب تو گنہ قاری کی ہور شارح کے سب　　　بخش سامع ہور کاتب نیں توں اے صاحب کرم
(گنہ)　(کے)(اور)　　　(اور)　(تو)

[نوٹ: نسخہ سالار جنگ میں دوسرا مصرع اس طرح ہے:
"خوش توں کر سامع کیتس اے صاحب فضل و کرم"

مندرجہ بالا اشعار و دیگر تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اس قصیدے کے مترجم کا نام سید محمد اور تخلص ابنِ رضا تھا جو نہ صرف باکمال شاعر تھا بلکہ فارسی اور عربی کا بھی عالم و فاضل تھا۔ جسے آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ اس نے سید شاہ عبد اللہ نامی کسی شیخ طریقت کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور انھیں کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ ابنِ رضا حاکم کڈپہ نواب عبد النبی خان میانہ ابنِ عبد الرحیم خان میانہ کے دربار سے وابستہ تھا۔ اس کے علم و کمال سے متاثر ہو کر نواب عبد النبی خان میانہ نے اسے اپنے فرزندِ جگر بند نواب عبد الحمید خان میانہ کی تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کیا۔ چناں چہ ابنِ رضا نے اپنے چہیتے شاگرد کی خواہش پر اس قصیدے کا ترجمہ دکھنی زبان میں کیا۔ اس کے علاوہ اس نے شاہزادہ عبد الحمید خان میانہ کے لیے فارسی میں "شعب الایمان" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جو نسخہ لنڈن کی جلد میں شامل ہے۔

اب رہا سالِ تصنیف کا معاملہ تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ قصیدہ بردہ کا یہ دکھنی ترجمہ نواب عبد النبی خان میانہ ولدِ عبد الرحیم خان میانہ کے ابتدائی عہدِ جہاں بانی میں تخلیق پایا ہے۔ جب کہ نواب مذکور کے نورِ نظر و لختِ جگر، "عبد الحمید خان میانہ" کی تعلیم و تربیت ہنوز جاری تھی، عبد النبی خان کے سات لڑکوں میں تیسرے لڑکے ہیں اور نواب عبد النبی خان کا عہدِ حکومت "میکنزے ریکاڈس"

کی روشنی میں ۱۱۱۴ھ تا ۱۱۵۸ھ یعنی تقریباً پینتالیس ۴۵ سالوں پر محیط ہے۔ جس کی تفصیل راقم کے طویل مقالے "کڈپہ تاریخ کے جھروکوں سے" میں مذکور ہے۔ بہر حال اس صورت میں یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ترجمہ ۱۱۱۴ھ کے بعد کے ابتدائی سالوں میں تخلیق پایا ہے۔ محمد ابن رضا کے تفصیلی حالات ابھی تک تاریکی میں ہیں، البتہ کڈپہ کے قلعہ کی مسجد جو نہرِ داؤد خانی کے کنارہ واقع ہے اس مسجد کے محراب میں پیوست ایک سنگین کتبہ جس میں فارسی اشعار کندہ ہیں، اس حقیقت کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ مسجد بحکم عالم گیر اورنگ زیب ۱۱۰۳ھ میں تعمیر کی گئی ہے اور محمدؐ رضا نامی شاعر نے تاریخ بنائے مسجد اپنے ہی نام کے حروف سے نکالی ہے۔ آخر کے دو شعر اس طرح ہیں:

طلب کردم از عقل تاریخ آں — چنیں گفت ہاتف بگوشم نہاں
کہ اس خانۂ فیض فضلِ خدائے — بنا شد بسالِ محمدؐ رضا سے

یہ عین ممکن ہے کہ یہ شاعر محمدؐ بن رضا ہی ہو، وزنِ شعر کی مجبوری نے اسے 'ابن' حذف کرنے پر آمادہ کیا ہو۔

ایک اور سنگین کتبہ شہر کڈپہ کی عید گاہ کی دیوار میں پیوست ہے، جس میں شاعر کے نام کی صراحت نہیں ہے۔ البتہ کتبے کے اشعار سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس عید گاہ کے بانی نواب عبدالنبی خان بن عبدالرحیم خان بن بہلول خان ہیں اور ان اشعار کی ساخت بتا رہی ہے کہ ان کا خالق وہی ہے جس نے ترجمۂ قصیدۂ بردہ شریف کے اختتام پر درج ذیل اشعار نظم کئے ہیں:

کریم ابنِ کریم ابنِ کریم است — گلِ باغِ نواب عبدالرحیم است
دُرِ بحر نواب عبدالنبی خاں — سخئ با کرم ھم جود و احساں

عید گاہ کے کتبے میں مرقوم اشعار اس طرح ہیں:

بنا ساختہ عید گاہِ بلند — امیرِ سکندر سیرا رجمند!
مہِ مہرِ نواب بہلول خان — چو بدر منیر است اندر جہاں

کریم است ابنِ کریم الکریم | دریجیرِ نواب عبدالرحیم
سرِ نامدارانِ عالی جناب | کہ عبدالنبی خاں است اوراخطاب
چو تعمیرِ مسجد سرانجام داد | بتاریخ آں ہاتف الہام داد
سن یکہزار و صدوسی تمام | زہجرِ محمد علیہ السلام

۱۱ ھ ۳۰

مزید یہ امر بھی قابلِ غور و فکر ہے کہ محمد ابن رضا چوں کہ درباری شاعر تھے اس لیے ممکن ہے نواب عبدالنبی خان میانہ نے اپنے عہد کی تعمیرات کی تاریخ انھیں سے لکھوائی ہو۔ بہرحال ہمارا خیال درست ہو تو محمد ابنِ رضا کے سنہ ۱۱۳۰ھ تک بقیدِ حیات رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) محمد ابنِ رضا کی شخصیت پر پڑے دبیز پردوں کو ہٹانے کی سعی کے طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سدھوٹ کے نامور قاضی حضرت میر عسکری جو برادرِ حضرت شہ میرؒ اول حضرت نوراللہ حسینی نور کڈپوی کے سمدھی یعنی آپ کے دوسرے فرزند سید حسینی پاشاہ متوفی سنہ ۱۲۳۵ھ کے خسر ہوتے ہیں۔ انھی قاضی صاحب کے والدِ بزرگوار کا اسم گرامی قاضی محمد رضا تھا جو حضرت امام علی موسیٰ رضاؑ کی اولاد سے تھے اور سدھوٹ ہی کے متوطن تھے علیہ بس غالب احتمال یہی ہے کہ محمد ابن رضا اور میر محمد رضا دونوں کی شخصیت ایک ہو، کیوں کہ نام کی موافقت کے علاوہ دونوں کا عہد بھی ایک ہے۔ یعنی دونوں عہدِ نواب عبدالنبی خان میانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

محمد حیدر ابنِ جعفر

نواب عبدالنبی خان میانہ کے تیسرے فرزند نواب عبدالحمید خان میانہ (سنہ ۱۱۵۹ھ تا سنہ ۱۱۶۱ھ) کا درباری شاعر محمد حیدر جس کا تخلص ابنِ جعفر تھا۔ وہ نواب مذکور کے فرزندوں کا اتالیق تھا۔ نواب عبدالحمید خان میانہ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ فرزندوں کے نام اس طرح ہیں: عبدالغفور خان (بڑے فرزند) عبدالکریم خان، عبدالمجید خان، عبدالرحیم خان اور عبدالسعید خان۔ ان نواب زادوں میں سے دوسرے فرزند عبدالکریم خان عرف

کرمو میاں کو قصّے سننے کا بڑا شوق تھا، اپنے استاد ابنِ جعفر سے مختلف قصّے سنتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کرمو میاں نے سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۲۷ھ ۱۶۱۷ء م ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء) کے ممتاز درباری شاعر ابنِ نشاطی کی معرکۂ آرا مثنوی "پھول بن" (سالِ تصنیف ۱۰۶۶ھ) اپنے استاد سے سُنی، جس کا اختتام ھمایوں شہزادۂ مصر اور سنمبر شہزادیٔ عجم کی ملاقات پر ہوتا ہے، تو کرمو میاں نے استاذ سے فرمائش کی کہ دونوں کی شادی کی مکمل تفصیل لکھ دیں تاکہ قصّہ کا لطف دوچند ہوجائے۔ شاگردِ رشید کی خواہش پر ابن جعفر نے ابنِ نشاطی کے اختتامی شعر ؎

عدالت کا رکہ اپنی سس پر تاج فراغت سوں سدا کرتا رہا راج

رکھ کر اپنے سر

سے

کے بعد بطور تکملہ تین سو اکتالیس (341) اشعار کا اضافہ کر دیا۔ جس میں نہ صرف شادی بیاہ کی تفصیل بیان کی گئی بلکہ مقامی رسم و رواج، تہذیب و تمدّن اور اس وقت کے زیورات اشیاء خورد و نوش، رنگا رنگ ملبوسات وغیرہ کی مکمل تصویر بڑی عمدگی اور نہایت خوب صورتی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ ابنِ جعفر کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فنّی چابکدستی اور کمال سادگی نمایاں ہے۔

انڈیا آفس لنڈن میں موجود اس نسخے کی تفصیل اس طرح ہے:

بلوم ہاٹ (Blumhardt) نمبر (103) سائز (13 × 8¼) ورق (133) سطر (11) خط نسخ۔ یہ نسخہ نوابانِ سدھوٹ کے لیے ہی مرتب کیا گیا تھا۔ جس میں عمدہ تصاویر اور مطلّا کام کیا گیا ہے۔

ابتدائی اشعار:-

محمد حیدرِ جعفر زبان کھول نچھل دریا سوں دل کے دُرِ بچن کھول

کھلا (شفاف) (سے) (موتی۔ بات)

سنمبر ہور ہمایوں شاہ زادہ سکونت جب کنی اس ملک میں آ

(اور) (کرنے)

دُلو آئے سو خوشخبری سُنیا جَد — اَدَک شاہِ عجم شاداں ہوا تَد
(اُن کے آنے کی) (سُنا) (جب) — (نہایت) (تب)

روانہ کر یوں محبت سات خامہ — لکھا تب یوں دنوں کوں شاہ نامہ
(یہ) (کے ساتھ) — (ان) (دونوں کو) (خط)

مختلف اشعار :-

ھر یک منزل مراحل قطع کرتا — ھر یک جنگل وبستی سوں گزرتا
(ہر ایک) — (جنگل) (سے) (گزرتا)

شب شر گشت آئی جلوہ کر ھو — نتھی شب بلکہ رشکِ روز تھی وو
(گشت) (گرم) (ہو کی) — (نہیں تھی) (وہ)

مقامی اشیائے خورد و نوش :-

متھائی بھوت خوش بادام کے کر — چلے بیاں ھور سبو سی بھے رکھی بھر
(مٹھائی) (بہت) — (اور) (سبوسے) (بھی رکھے) (بھر کے)

ترنجی ہور نارنجی مُربّا ! — رکھے بیٹھی کا ہور بھی آم کا لیا
(موسمبی) — (بیٹھے) (اور)

اتھی انگور انجیر و اناراں ! — پھنس ہور آم خربوزی بھی تھی واں
(تھے) (انگور) — (کٹھل) (اور) (بھی تھے وہاں)

اتھی تربوز ہور شہ توت مرغوب — ہر یک میوہ اتھا ٹیکیتے یک خوب
(تھے) (اور) — (تھا) (ایک سے بڑھ کر ایک) اچھا

گلاب و عطر گل سبکوں دئے پان — اَدَک صمدیاں کتیں سب سوں دئی مان
(گلاب) (گل) (سب کو) — (بہت) (سمدھیا) (کے لیے) (سے) (دے عزت)

دئی ہر یک کوں اس کا مرتبہ دیک — نہیں باقی رھیا مجلس کوئی ئیک
(دے) (کو) (دیکھ) — (رہی) (ایک)

رَسم سب نیل کا بھی کر کہ تیار — چلے عارس طرف سوں نوشو کی دربار
(بھی) (کے) — (سے) (دولھا)

بھُوتُ دن یو نچ تھی شادی دوطرفہ — وہاں کھاتے تھی کھانا لوک سب آ
(بہت) (یوں ہی) تھی (دونوں طرف) (تھے) طعام (لوگ) (آکر)

شاعر اپنے ممدوح نواب عبدالحمید خان اور اس کے آباء و اجداد کا ذکرِ خیر بھی بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے:

صفت ان بزرکاں کی بیشتر ھیں — ولیکن یاں کیا ھوں مختصر یں
(بزرگاں) (کے) (یہاں)

نواب عبدالنبی خاں کا ھی فرزند — نواب عبدالرحیم کا وو ھی دلبند
(ہے) نوا (وہ) ہے

کرم کی بحر کا رخشاں کہر ہے — نوا بہلول خاں کا وو جگر ہے
(کے) (گہر) (نواب) (وہ) (جگر)

نواب عبدالحمید ھی نام اُسکا — عَدل انصاف ھے جم کام اُسکا!
(ہے) (تمام)

ھوا آفات سب ملکی مُلک بیں — رکھیا حق اُسکیتیں امن واماں سیں
(رکھا) (خدا) (اُس کی خاطر) (سے)

سدھوٹ کے قلعے کی تعریف اس طرح کی ہے:

قِلعہ سدھوٹ کی اُن کوں مکاں ہے — مکاں اُسکے تمن جگمیں کھاں ھے
(کا) (اُن کا) (اس کی طرح) (جگ میں) (کہاں)

قِلعہ بھی کوئی نیں ثانی ھی اُسکوں — ندی لائی ھی سر اُسکی چرن سوں
(بھی) (نہیں) (ہے) (اس کے) (ہے) اُسکی (قدم پہ)

جن کی خواہش پہ یہ اشعار لکھے گئے اُن کا ذکر بڑی ہنرمندی سے شاعر نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

کریم صاحب اھے اُس نیک کا نام — اَھی جیوں نام اُن کا نیک ھی نام
(ہے) (ہے) (ہے)

کریم انکوں دیا ھے نام بہی نیک | دیا ھی اس موافق کام بہی نیک
(اُن کو) (بھی) (ہے) (بھی)

اختتام پر شاعر نے بڑے ہی انکسار سے کام لیتے ہوئے اس طرح گویا ہوا ہے:

سخن کرچہ نہ تھا کھنی کے لائق | ہیں شاعر جگ میں یکسوں یک فائق
(اگرچہ) (کہنے) | (جگ) (ایک سے ایک بہتر)

نہ رکہ خام سخن کا ننک ھور نام | لکھیا دو حرف جیوں تیوں پختہ و خام
(رکھ) (ننگ) اور | (لکھا) (جوں توں)

گر اس میں عیب چن تے جاوگے تم | تو بچتا لفظ یک نہ پاوُگے تم
سراپا شعر ہے کچا سراسر | رکہو معذور (تم) فضل و کرم کر
کرو سکتے ہو کر اصلاح کوشی | وگر نہیں تو کرو تم عیب پوشی
(دگر) | (نہیں)

ختم کر ابنِ جعفر کوش توں دہر | اتا ابنِ نشاطی کے بچن پر
(گوش) تو (رکھ) | (اب) (بات)

ابنِ جعفر کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ اس مخطوطہ کا صرف ایک ہی نسخہ موجود ہے۔ اس لیے اس کی وقعت بڑھ گئی ہے۔ ترقی اردو بیورو نئی دہلی سے حال ہی میں "پھول بن" کی اشاعت عمل میں آئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا انڈیا آفس لائبریری کے اس نادر نسخے کو سامنے رکھ کر ابنِ حیدر کے اضافہ شدہ اشعار بھی شاملِ اشاعت کر لئے جاتے۔ اس طرح اس کی حفاظت ہو جاتی، یہاں ایک فروگذاشت کی طرف اہلِ علم کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے کہ نصیرالدین ہاشمی نے اپنی بے مثال تصنیف "یورپ میں دکھنی مخطوطات" میں اضافہ "پھول بن" کے ذیل میں متعدد مقامات پر یہ بات دہرائی کہ ابنِ جعفر کا ممدوح کریم خان ابن محسن خان ابن عبدالنبی خان ہے، حالاں کہ محسن خان لاولد تھا۔ کریم خان محسن خان کا نہیں بلکہ عبدالحمید خان کا لڑکا ہے، جیسا کہ

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ بہر حال کڈپہ کی ادبی تاریخ میں حیدر ابنِ جعفر کا مقام اس لیے بھی منفرد ہے کہ اس نے اپنے اشعار کے ذریعہ نہ صرف سدھوٹ، کڈپہ بلکہ سارے دکن میں اُس وقت رائج شدہ مسلم معاشرے اور ان کی ذہنی ساخت و پرداخت کو آئینہ دکھایا ہے۔ یہ تاریخ تمدّن کا اہم حصّہ ہے جس کی تفصیلی مطالعہ سے کئی خفیہ قدریں واہوتے ہیں۔

حضرت شاہ جمال رائچوٹی

(متوفی ۱۱۶۲ سنہ ہجری)

خانوادۂ سادات بخارا کے بے حد مقبول و مشہور بزرگ حضرت سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت قدس سرّہٗ (متوفی ۷۸۵ھ) کے چشم و چراغ حضرت سید جمال الدین بخاری المتخلص بہ جمالؔ رائچوٹی ابن حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری کرم کنڈوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کا سلسلۂ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ سے ملتا ہے۔ حضرت شاہ جمال ایک متبحر عالم و فاضل اور بلند پایہ صوفی تھے۔ آپ رائچوٹی، ضلع کڈپہ میں توطن اختیار کرنے سے پیشتر اپنے والدِ بزرگوار کی طرح بیجاپور، شاہ نور (بلگاؤں) اور بدویل (ضلع کڈپہ) میں مختصر مدت کے لیے قیام فرمایا تھا۔ بعد ازاں آپ کڈپہ ہوتے ہوئے رائچوٹی جو کڈپہ سے پچاس کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے تشریف لائے اور وہاں ندّی کے کنارے تشنگانِ علم و عرفان کی سیرابی کے لیے سکونت پذیر ہوگئے اور بنفسِ نفیس آپ نے اس ندّی سے یک نہر جاری فرمائی جو آج بھی جمال بگاّ (نہرِ جمال) کے نام سے مشہور ہے۔ آپ عالم باعمل ہونے کے علاوہ بہترین کاتب و خوشنویس تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے قیامِ بدویل کے دوران علامہ شہرستانی کی معرکۃ آرا تصنیف "الملل والنحل" کو بخطِ نسخ سنہ ۱۱۱۳ھ میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ نادر نسخہ کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد کی زینت بنا ہوا ہے۔[۱۲]

آپ کے تبحرّ علمی و معارف آگاہی کے لیے آپ کے خلیفہ مولانا جان محمد صاحب

دہلوی کا واقعہ شاہدِ عدل ہے۔ کہ مولانا جان محمد صاحب دہلوی جو مغل شاہزادے کے اتالیق بھی رہ چکے تھے، مسئلہ وحدۃ الوجود کی گتھیاں سلجھانے کے لیے سارے ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے کڈپہ پہنچتے ہیں، آپ کو ایک سائل کے ذریعہ رائچوٹی میں مقیم حضرت سید جمال الدین بخاری کی ذاتِ والاصفات کی طرف رہ نمائی ہوتی ہے، مولانا جان محمد دہلوی نے حضرت شاہ جمال سے اپنے شبہات کے حل کرنے کی درخواست کی تو حضرت نے اپنے بڑے صاحب زادے سید محمد معروف بہ شاہ میر کو حکم فرمایا کہ ان کا تشفی بخش جواب دو۔ حضرت شہمیر مولانا کو اپنے ساتھ لے جاکر ایک ہی گھنٹہ میں اس طرح معارف و حقائق کا القا فرماتے ہیں کہ مولانا اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت شاہ جمال کی خدمت ہی میں اپنی زندگی کے باقی دن کاٹ دیتے ہیں اور آخر کار بیعت و خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوکر رائچوٹی ہی میں واصل بحق ہوجاتے ہیں[15]۔ مولانا جان محمد کا مزار بقولِ حضرت سید شاہ قادر علی باشاہ شہمیری مدظلہٗ العالی سجادہ نشین آستانۂ شہمیریہ، کڈپہ اپنے مرشد کی قبر کے پائین موجود ہے۔

بہر حال حضرت شاہ جمال رائچوٹی کی شہرت بطور صوفی صافی مسلّم ہے مگر کسی تذکرہ نگار نے آپ کو بحیثیت دکنی شاعر متعارف نہیں کرایا ہے۔ البتہ محمد سخاوت مرزا مرحوم نے اپنے مضمون "سید محمد حسینی الملقب بہ شہمیر رائی چوٹی" کے حاشیہ میں حضرت جمالؔ کے دکنی شاعر ہونے کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا ہے[16]۔

حالاں کہ شاہ جمال ایک باکمال شاعر تھے، آپ کی شاعری گنجینۂ معارف کا معدن ہے آپ نے روایتی طور پر شاعری نہیں کی بلکہ آپ بحرِ مشاہدات کی غوّاصی کرتے ہوئے جذبات و کیفیات کے گوہرِ آب دار کو اپنی شاعری کے روپ میں پیش فرمایا ہے۔ چناں چہ آپ کے دوسرے فرزند حضرت سید نور اللہ باشاہ بخاری کڑپوی الملقّب بہ اسرار اللہؒ نے اپنی ضخیم بے مثال تصنیف "تجلیٔ انوار" میں اپنے والد یعنی شاہ جمال کا درج ذیل شعر بطورِ دلیل پیش کیا ہے۔

ذاتِ حق ہر صفت کے طور ستے　　　آپ کو کر ظہور اسم ہوا

شاہ جمال کی ایک مناجات سالار جنگ میوزیم لائبریری میں دستیاب ہوی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

(502) مناجاتِ جلال نمبر (18) سائز (5x7) صفحہ (4) کُل شعر (17) مصنف سید جلال الدین۔ تاریخ تصنیف تقریباً ۱۱۵۰ھ۔ (فن کلیات و دواوین) مرتب فہرست جناب نصیر الدین ہاشمی کو نام کے سلسلہ میں تسامح ہوا ہے چنانچہ دکنی کے مشہور محقق جناب درویش احمد خان صوفی تہمیری مرحوم نے اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ قادر علی باشاہ تہمیری مدظلہ العالی کے نام ایک نجی خط میں مناجات مذکور کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوے ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت شاہ جمال کی نظم ہے نہ کہ شاہ جلال کی۔ خط کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"مرتب فہرست کو تسامح ہوا۔ شاہ کمال الدین کی نسبت سے آپ کے صاحبزادہ و مرید شاہ جلال الدین اکمل سمجھ کر مناجاتِ سید جلال الدین لکھا ..... اصل کتاب دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ مناجات سید جمال الدین ہے۔ اب یہ تصفیہ طلب امر ہے کہ یہ سید جلال الدین کون ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ بزرگ سید جمال الدین بخاری (متوفی ۱۱۶۲ھ مزار رائچوٹی) ہیں، وہ اپنے والد حضرت سید کمال الدین بخاری متوفی تقریباً ۱۰۷۹ھ مزار کرم کنڈہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ جس کا ذکر آخری شعر میں ہے اور اس آخری شعر کے مصرعہ دوم میں "جمالِ پاک" لفظ ہے، یہ ذو معنی ہے جمال سے تخلص اور پاک جمال کی عطا کا مدعا ہے۔"

علاوہ ازیں اس میں پنج گنج یعنی ذکر جلی[1]، ذکر قلبی[2]، ذکر روحی[3]، ذکر سری[4]، ذکر خفی[5] کا ذکر ہے۔ جو اس سلسلہ میں تاحال جاری ہے، نیز اٹھائیس ۲۸ برج کا بھی ذکر ہے جو اس سلسلہ میں اٹھائیس برج، اٹھائیس حروف، اٹھائیس اسماء اور اس کے مظہرات کی تعلیمات چلی آرہی ہیں۔ چار دروازہ یعنی شریعت[1]، طریقت[2]، حقیقت[3]۔ معرفت[4]

اس سلسلہ میں ابتدائی سلوک "عَرفتُ رَبِّی بِرَبِّی" چلا آرہا ہے،
جانِ سلوک عرفان ہے جو مطابقت شریعت ہے بقولِ حضرتِ سالک : ع
این قیل وقال آمدہ درخاندانِ ما

عشق و عرفان جانِ سلوک ہے۔ حضرت سید جمال الدین اپنی مناجات میں فرماتے ہیں۔

سدا تجہ عشق کے دریا میں مجہ کوں کر شناور توں ... کہ جوں غواص ہو لیاؤں گہر عرفان یا اللہ

عارف کی سیر و طیر وحدت و واحدیت میں ہوتی ہے، حضرت حسن سنجری، خلیفہ محبوب الٰہیؒ
فرماتے ہیں: ع ... حسن در کوچہ و بازار مستیم

کوچہ سے وحدت اور بازار سے واحدیت مراد لی گئی ہے۔ مرتبہ احدیت میں تو احد ہے
اور وحدت میں واحد، اس مضمون کو حضرت سید جمال الدین بخاری فرماتے ہیں۔

مبارک کوٹ ہو رہیوں کہ جس میں ہے محل واحد ... جو تس میں تجہ وصل کا تخت مجہ دے دان یا اللہ

ایک اور شعر میں اپنے وجود باطل سے رستگاری کی استدعا کی گئی اور جو فانی ز خود ہوتا ہے وہ
باقی بحق ہوتا ہے اس شعر میں اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

خفی میں محو کر مجہ کوں جو "لا یبقیٰ" اثر مجہ تے ... مرا جو مرغ ہستی کا توں کر قربان یا اللہ

مختصر یہ کہ حضرت سید جمال الدین بخاریؒ کی یہ مناجات ہونے میں کوئی
شک وشبہ ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ زبان قدیم، کتابت بطرز قدیم، بلحاظ تعلیمات
مطابقت۔ فقیر کی دانست میں اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کا اور بھی کلام کیا
عجب کہ دیوان بھی ہوگا۔ ...... عکلہ

مناجات کا کامل متن ملاحظہ ہو:

رات دیس مجکوں سو تیرا دھیان یا اللہ (۱) کہ تجہ بن ایک پل نا ہوی اطمینان یا اللہ
(دن) (مجھ کو) (تیرے بغیر) (لمحہ) (نہ ہوئے)

سدا تجہ عشق کی دریا میں مجکوں کر شناور توں (۲) کہ جوں غواص ہو لیاؤں گہر عرفان یا اللہ
ہمیشہ (تجہ عشق یعنی تیرے عشق کی دریا میں مجھے) (تو) (جیسے) (لاؤں) (گہر)

سدا مشغول کر مجکوں اپسکی منی محبت سوں (۳) کہ ہیجو ہورھوں مستان با دلِ جان یا اللہ
(مجھے) (سے) (ہو کر رہوں)

خزانہ پنج گنجاں کا جو ھی تجہ ہات اے رہبر (۴) تصرف کا ترنی مجکوں توں دی امکان یا اللہ

(پانچ (گنجاں گنج کی جمع) ہے (تیرے ہاتھ) (نکالنے یعنی نکالنے) (نو) (دے) (طاقت)

جلی کا لقلقہ یوں دی رکی رگ مُو بمُو سارا (۵) بدن مدھوش ھو کر جیو .... یا اللہ

(دے) (رگ رگ) (مکمل) (عبارت کرم خوردہ ہے)

بزاں قلبی سوں یوں رک مجہ سدا اپنی حضوری میں (۶) کہ تیری یاد بِن گزری نہ یک تِل آن یا اللہ

(بعد ازاں یعنی پھر) سے (رکھ) (گزرے) (لمحہ)

ذِکر روحی سوں دی مجکوں اَپسکی دیکھنی کا حظ (۷) سری تجہ وصل کی لذت میں جیو قربان یا اللہ

(سے) (دے) اپنی (دیکھنے) (جان)

خفی میں محو کر مجکوں جو لاَیبقیٰ انتر مجہ تی ! (۸) مرا جو مرغ ھستی کا توں کر قربان یا اللہ

(مجھ سے) (تو)

اتھاویس بُرج کا قلعہ جو ھیں جس چار دروازہ (۹) سوھر یک در تی مجہ آنی توں دی امکان یا اللہ

(۲۸) (ہیں) (۴) ہر (دروازے سے) (مجھے آئے) دے (سکت)

مبارک کوٹ ھور میموں کہ جس میں ھی محل واحد (۱۰) جو تِسمیں تجہ وصل کا تخت مجہ دی دان یا اللہ
اور

(کوٹ یعنی قلعہ) (ہے) (اس میں) (مجھے دے بخشش)

اِلٰہی قادرُ القدرت توں مالک دوسرا کھی (۱۱) تُھیں خالق تُھیں رزاق تُھیں رحمان یا اللہ

تُو ہے (تُوہی) (تُوہی) (توہی)

امورظاہری باطن جیکچھ ھی مدّعا جک کا (۱۲) سکل پر لیا سہارا توں ہی ذُوالاِحْسان یا اللہ

(جو کچھ ہے) (جگ) (ہمیشہ) (توہی)

مرا جو مدعا دل کا اَھی تجہ دِھر سے روشن (۱۳) تُھیں ھی عالمُ الغیوب ھور دیّان یا اللہ
خدا کا نام

(ہے) (جلوہ) (توہی ہے) (اور بدلہ دینے والا)

جیکوئی تجہ کنی مانگیا جیکچھ جو پایا بے شک (۱۴) مبارک تخت فَادْعُونِی کا توں سلطان یا اللہ

(جو کوئی) تیرے پاس مانگا جو کچھ

بحقّ احمد مرسل محمدؐ مصطفےٰ سرور (۱۵) بحقِ طٰہٰ و یٰسین کہ جس ھی شان یا اللہ
شوکت (ہے)

اِلٰہ العالمین تیری محباں کی برکت سوں (۱۶) مجی دِنی مَیں جیکہ منکیا بحقِ قرآن یا اللہ
(تیرے) (سے) (مجھے دے) (جو کچھ مانگا)

بحقِ شہ کمال الدین ولیِ مرشدِ کامل (۱۷) جمالِ پاک توں اپنا مجی دی وات یا اللہ
(تو) (مجھے دے)

حضرت میاں شہاب کڈپوی

حضرت مولانا سید شہاب الدین کڈپوی مذہبِ مہدویہ کے ممتاز عالم اور مشہور مشائخ تھے، آپ کے والد ماجد کا نام نامی سید منجو اور جدِّ امجد کا اسمِ گرامی سید عبدالحیٰ تھا، آپ کی ولادت ۱۰۹۶ھ میں ہوی، آپ علومِ دینیہ کی فراغت و تکمیل کے بعد کچھ مدت کے لیے بادشاہِ بیجاپور کے پاس منصبِ وزارت پر متمکن رہے[۱۸]۔ چوں کہ مذہبِ مہدویہ میں ہجرت کو فرض عین قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ اس ہجرت کے ذریعہ کارہائے تبلیغ بحسن و خوبی انجام دیے جا سکیں، بقولِ سید نصرت مہدی یداللّٰہی: "آپ نے بطریقِ مذہب مہدویہ ترکِ دنیا کے لیے کڈپہ حضرت بندگی میاں سید یعقوب متوکلی کی خدمت میں جاکر اس فریضہ کی تکمیل فرمائی اور پھر وہاں سے سدھوٹ (جو کڈپہ ضلع سے آٹھ کلو میٹر کے فاصلہ پہ ہے۔) میں دائرہ باندھ کر رہنے لگے اور نواب حلیم خان ولدِ نواب عبدالحمید خان کی ایماء پر اپنے برادر زادہ میاں سید عبدالحیٰ اور فرزندِ اکبر سید محمود کے ہمراہ اناسی ۸۹ سال کی عمر میں ۱۵ ار صفر المظفر ۱۱۸۶ھ کو شہید کئے گئے۔ اسی لیے آپ قوم مہدویہ میں "حضرت سید شہاب الدین شہید سدھوٹ" کے نام سے مشہور ہیں[۱۹]۔

سید نصرت مہدی نے شہادت کی تفصیل سے احتراز کیا ہے۔ البتہ گروہِ مہدویہ کی مشہور و معروف تاریخ "خاتم سلیمانی" معروف بہ تاریخ سلیمانی میں اس کی تفصیل درج ہے[۲۰]۔ جس کے مطالعہ اور مقامی روایات کو تطبیق دینے سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت شہاب جب ہجرت فرما کر بیجاپور سے سدھوٹ تشریف لائے اور وہیں مستقل سکونت آپ نے اختیار کرلی تو آپ خود کو اپنے مذہب کی

تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کرلیا ۔ جس کی وجہ سے بہت سارے افراد آپ کے پیروکار بن گئے تھے، انہیں دنوں میں شہر سدھوٹ میں ایک صوفی صافی مجذوب بزرگ حضرت بسم اللہ شاہ قادری قیام پذیر تھے۔ آپ پہ ہر وقت جذب وعشق اور محویت کا عالم طاری رہتا تھا۔ آپ بسا اوقات عوام وخواص کو فرقۂ مہدویہ کے عقائد کے خلاف تنبیہہ فرماتے تھے، حضرت قبلہ کے عقیدت مندوں میں نواب سدھوٹ عبدالحلیم خان میانہ ابن نواب عبدالمجید خان شہید (۱۱۷۳ - ۱۱۹۱ھ) بھی شامل تھا۔ (حلیم خان کی ولدیت کے بیان میں مؤلف تاریخ سلیمانی اور سید نصرت مہدی دونوں سے تسامح ہوا ہے۔ تذکرۃ البلاد والحکام[21] اور لارڈ میکنزے رکارڈس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ عبدالحلیم خان کے والد کا نام عبدالمجید خان شہید تھا نہ کہ عبدالحمید خان۔)

بہرحال ایک مرتبہ حضرت بسم اللہ شاہ قادری حالتِ جذب میں کچھ ارشاد فرما رہے تھے تو سامعین میں سے خضر خان نامی مہدوی نے آپ کے کسی قول پہ مشتعل ہوکر آپ پراچانک حملہ کردیا جس کی وجہ سے آپ وہیں شہید ہوگئے، قلعۂ سدھوٹ میں موجود شاہی مسجد کے روبرو آپ کا عالی شان گنبد آج بھی زیارت گاہِ انام ہے ۔ جس کی دہلیز پر حسبِ ذیل اشعار سال رحلت کی گواہی دے رہے ہیں : ۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اثباتِ حق، حق او از نفیٔ ما سوا اللہ	قطبِ زماں وماہر از سرِّ لی مع اللہ
جسمش حلیم ظلِّ اعیانِ ثابتہ داں	تاریخ گفت "او بود ذات اللہ"

۱۱ ھ ۸۶

الغرض اس جانکاہ حادثے کی اطلاع نواب عبدالحلیم خان کو ملتے ہی، جذبات سے مغلوب ہوکر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس طرح خضر خان نے میرے مرشد کو شہید کیا اسی طرح تم بھی اس کے مرشد سید شہاب الدین کو

شہید کر دو، فوراً حکم کی تعمیل ہوئی جس کے نتیجے میں حضرت سید شہاب الدین صاحب اپنے فرزندِ اکبر اور برادر زادے کے ہمراہ جاں بحق ہو گئے۔ مراد خان نوری نے "بادشاہ عالماں برفت" سے سالِ رحلت ۱۱۸۶ھ استخراج کیا ہے۔ بعد ازاں ان تمام شہداء کو سدھوٹ سے لاکر کڑپہ کے چھوٹے حظیرے (قبرستان مہدویہ) میں جو اب کالونی کی مسجد کے احاطے میں آچکا ہے، سپردِ خاک کیا گیا۔ آج کسی قبر پہ کتبہ نہیں ہے مگر عمر رسیدہ حضرات آج بھی ان قبروں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ چنانچہ راقم اپنے دوست عقیل حامد کے ہمراہ انکی

بہر حال حضرت شہاب کی مذہبی حیثیت سے قطع نظر آپ کی شاعرانہ شخصیت کو دیکھا جائے تو آپ یقیناً ایک قادر الکلام قد آور شاعر نظر آتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں عالمانہ وقار کے ساتھ شاعرانہ بانکپن کا حسین امتزاج قلب و نظر کو مسحور کرتا ہے۔ آپ نے حضرت سید یوسف بن سید یعقوب کی فارسی کتاب "مطلع الولادت" کا منظوم ترجمہ "فیض عام قدس" کے نام سے کیا ہے۔ اس مثنوی میں مذہبِ مہدویہ کے امام سید محمد مہدی جونپوری قدس سرہٗ کے حالات، خیالات اور واقعات شاعرانہ ہنرمندی کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں۔ 'فیض عام قدس' کے دو نسخے سالار جنگ میوزیم لائبریری میں۔ ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ایک نسخہ اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد میں اور ایک نسخہ انجمنِ ترقی اردو، کراچی، پاکستان میں محفوظ ہیں۔

تمام نسخوں کی تفصیل اس طرح ہے:

نسخۂ سالار جنگ (پہلا نسخہ) مثنوی "فیض عام قدس" حوالہ نمبر (۵)
سائز (8x12) صفحہ (204) سطر (21) تاریخ کتابت 1229ھ تاریخ تصنیف ۱۱۶۴ھ۔ خط نستعلیق۔ کاغذ ولایتی۔

دوسرا نسخہ: "فیض عام قدس" کتاب نمبر ۱۵، سائز 6x9، سطر ۱۱ خط نستعلیق، کاغذ ولایتی۔ سال کتابت 1276ھ

پہلے نسخے کا ترقیمہ اس طرح ہے:۔ تمت ہذا المولود المسمّٰی بہ فیض عام قدس

فی وقت الضحی یوم الاربع فی التاریخ السبع من شہر ربیع الآخر سنہ ہجرۃ النبویۃ الف ومایہ ستّ واربع مع ہذا تاریخ فی اسم ہذا الکتاب اعنی فیض عام قدس انشدھا سید شہاب الدین ابن سید منجو ابن حضرت سید عبدالحیٰ قدس اللہ سرّہٗ

دوسرے نسخے کا ترقیمہ ان الفاظ میں مرقوم ہے :۔

تمت الکتاب بعون الملک الوہاب برائے خواندن شاہ صاحب میاں فی سبیل اللہ فقیر سید مبارک عرف میاں جی میاں صدقہ خوار بندگی میاں سید عثمان (رحمۃ) نوشتہ دارد فی التاریخ دوازدہ ماہ شوال سنہ ۱۲۷۶ھ۔

ان دونوں نسخوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ مگر پہلے نسخے کے کاتب سے کتابت کے اغلاط سرزد ہوئے ہیں۔

نسخۂ کتب خانۂ آصفیہ :۔

نمبر سوانح 248، سائز 9×6، صفحہ 291، سطر 12 تا 16، خط نستعلیق تاریخ تصنیف قبل سنہ ۱۱۵ھ اس نسخہ میں ترقیمہ ناقص ہے۔ راقم کی نظر سے مندرجۂ بالا تینوں نسخے گزر چکے ہیں۔

نسخۂ اسٹیٹ آرکیوز :۔

مخطوطہ نمبر 248۔ کتابت سنہ ۱۲۹۹ھ صفحات 291۔ ع ۲۲

نسخۂ انجمن ترقیٔ اردو، کراچی :۔

مخطوطہ ناقص الاول، کتابت سنہ ۱۲۱۳ھ صفحات 308۔ ع ۲۳

مثنوی کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے : ؎

اوسی کو حمد ہے سالم سزاوار	دہریں کُل حمد کے کل جس کا گلزار
(اُسی) (کامل)	(رکھے) (کُل)
ہیں جس کے حمد میں محمود حامد	دکھاویں اپنے تیئں (؟) کر کو جاند
جہاں لگ انبیا ہور اولیا ہیں !	ثنا کے تس گلستاں کے گلاں ہیں
(تک) (اور)	(اُس)

جب اس جا باعثِ ایجادِ آدم | ہیں لا اُحصی ثنا کا مارتے دم
(جگہ) (سبب)

اختتامی اشعار اس طرح درج ہیں:

توقع مجکو ہے جانِ آفریں سوں | نہ ہوں محتاج کس کی آفریں سوں
(مجھ کو) (سے) | (نہ رہوں) (کسی کا) (زندگی) سے (میں)

بیں تاریخ کا کر جام قدس اس | رکھیاں ہوں نام "فیضِ عام قدس" اس
(بنا کر) (اس کو) | (رکھا) (اس کا)

نہو بیں کیوں فیض عام قدس یو نظم | ہے خیر الناس کے تاریخ کا بزم
(نہ ہووے) (یہ) | (کی)

جو کوئی بھر خدا اس کوں سُنیگا | ولایت کے چمن کے گُل چنیگا!
(بہرِ خدا) اُس کو (سُنے گا) | (گُل) (چُنے گا)

شہِ یعقوب کے صدقہ سوں اب ہیں | یو فیض عام کوں کیتا مرتب
(سے) | (یہ) (کو) (کیا ہوں)

مرا آخر طفیلِ نیک مرداں! | الٰہی عاقبت محمود گرداں
(آخرش نیک لوگوں کے صدقے میں اے میرے پروردگار میرا انجام قابلِ تعریف کر دے)

اس مثنوی کا تاریخی نام "فیضِ عام قدس" ہے جس سے ۱۱۶۴ھ کے اعداد نکلتے ہیں، مذکورہ بالا تمام نسخوں میں کہیں بھی اس بات کی واضح شہادت موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ مثنوی کہاں معرض وجود میں آئی! نصیر الدین ہاشمی نے آپ کو میسور کا باشندہ قرار دیا ہے[۲۴] مگر انہوں نے اس کی تفصیل سے گریز کیا ہے۔ بہر حال اس عقدے کو حل کرنے کے لیے کہ یہ مثنوی کہاں لکھی گئی ہے، ہم اس کی داخلی شہادت سے بحث کرنا مناسب سمجھتے ہیں، حضرت شہاب نے اپنی مثنوی کے اختتام پر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ حضرت شاہ یعقوب کے طفیل سے اپنی اس مثنوی کو مرتب کئے ہیں۔ چناں چہ آپ کا شعر ہے: ؎

شہیں یعقوب کی صدقے سوں اب
(شاہ) (کے) (سے)
یو فیض عام کوں کیتا مرتب
(یہ) (کو) (کیا)

اس سے قبل بتایا گیا ہے کہ آپ نے بطریق مذہب مھدویہ ہجرت کرنے کے لیے کڈپہ کو پسند کرلیا تھا، جہاں حضرت بندگی میاں سید یعقوب متوکلی فروکش تھے۔ حضرت شہاب نے انہیں حضرت یعقوب کا ذکر مذکورہ شعر میں کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ آپ نے یہ مثنوی کڈپہ پہنچنے کے بعد ہی کہی تھی ورنہ شاہ یعقوب کا حوالہ اس شعر میں نہ ہوتا۔ بہر حال آپ نے مثنوی "فیض عام قدس" سٹرسٹھ ۶۸ سال کی عمر میں اپنے انتقال سے بائیس ۲۲ سال بیشتر کہی تھی۔ گویا آپ نے شاعرانہ طویل تجربہ اور فنی مشاقی کو بہتر طور پر استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے آپ کی زبان منجھی ہوی اور شستہ معلوم ہوتی ہے۔ نمونتہً چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تیری قدرت سدا تجکوں سزاوار
(تجھ کو)
کیا یک کُن سے دو عالم کا بستار
(پھیلاؤ)

زمین و آسماں کوں کرکو پُر نور
(کو) (کر کے)
اسی کے نور سوں کیتا ہے معمور
(سے) (کیا ہے)

مجھے یک دن کیا یوں ہاتف آواز
کہ اے شاہِ سخنداں و سخن ساز

زباں پھُل نیر سوں دھو کر ادھر کھول
(آب گُل) سے
محمدﷺ مصطفیٰؐ کی نعت کوں بول

محمدﷺ او کہ جس کی نعت میں پاک
حدیثِ قدس میں وارد ہے لولاک

جو کچھ تھا احدیت میں خفیہ اسرار
ہوا تیرے یچہ سوں وحدت میں اظہار
(تجھی سے)

ترا ہی نور سب ہستی پو دائر
ہے کُل اسمائے حق کا تو مظاہر

جو تیرا اسم ہستی کا علم ہے
کہ شاہد اُس اُپر لوح و قلم ہے

چھپیا نیں دست تیرا گر قلم کوں
(چھپا نہیں) (کو)
دو عالم کا لکھیا خط میں یک قلم سوں
(سے)

دو عالم تجھ کہیں محبوبِ کونین! | مقام آدنیٰ ترا ہے قاب و قوسین
(تجھے)

ظہور و بطن کا رابطہ ہے تجھ ذات | یقیں اول ہے تیرے سوں عبادات
(تیری) | (سے)

شاعر کو اپنی مثنوی پر بجا طور پر ناز ہے، انھوں نے تشبیہات و استعارات کو بحسن و خوبی استعمال کیا ہے۔ مثال کے لیے درجِ ذیل اشعار پیش کئے جا رہے ہیں:

نہ سمجھو نظم یو نظمِ دکن ہے | ولایت کے گلستاں کا چمن ہے
ہے اہل اللہ کا یو روشن گلستاں | حقائق کے چمن کا سنبلستاں
حکایت کے ہیں اس میں سروِ عالی | صنوبر داستاں کے خوش معالی!
کھلے ہیں اس میں سُرخی کے انار | منوّر بیت کے روشن چناراں
انجیر ہر مصرعۂ رنگیں ہے موزوں | تلفظ کے ہیں انگوراں ہمایوں
کہ ہر اک نقل خرمے کا شجر ہے | ہنر شیریں ہو جس میں تر بتر ہے
مطالب کے کھلے ہر جا سمن ہیں | مثالاں کر منوّر یاسمن ہیں
فصاحت اور بلاغت کے ترنجاں | جزامت کا لگیا ہے تازہ ایماں

بہر حال حضرت شہاب کڈپوی کی مثنوی "فیض عام قدس" اپنی زبان اور بیان کے اعتبار سے خصوصی تفصیلی مطالعہ کی مستحق ہے۔

ولی ویلوری

شہر کڈپہ سے شمال میں تقریباً ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر واقع تاریخی شہر ویلور دارالسرور میر ولی فیاض معروف بہ ولی ویلوری کا وطن تھا۔ آپ ابتدا میں نواب ساتگڈھ حراست خان (مدفن ناجپورہ، آرکاٹ) مرید شاہ زین الدین صاحب بیجاپوری صبغۃ اللّٰہی متوفی سنہ ۱۱۲۹ھ کے دربار سے وابستہ تھے[۲۵] سپاہ پیشہ ہونے کے باوجود شعر و شاعری سے فطری ذوق نے ولی ویلوری کو نواب حراست خان کے مصاحبین میں امتیازی مقام عطا کر دیا تھا۔ سوئے اتفاق ساتگڈھ (علاقہ شمالی آرکاٹ) کے

حالات آپ کے لیے سازگار نہیں رہے تو نواب صاحب نے بذاتِ خود دلچسپی لے کر آپ کو نوابِ سدھوٹ (علاقہ کڑپہ) عبد المجید خان میانہ ولدِ عبد الحمید خان میانہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ رود بارِ پینّا کے کنارے آباد شہر سدھوٹ کی آب و ہوا ولی ویلوری کو راس آگئی۔ لہٰذا آپ نے یہاں طویل قیام کیا اور ایک ضخیم مثنوی "رتن پدم" جو تقریباً چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے تحریر کی۔ مثنوی "رتن پدم" دراصل عہدِ شیر شاہ سوری کے مشہور صوفی شاعر ملک محمد جائسی (متوفی سنہ ۱۰۴۹ھ م سنہ 1639ء) کی منظوم کہانی "پدماوت" کا دکنی ترجمہ ہے۔ جس میں راجہ چتوڑ رتن سین اور شہزادی لنکا پدم کے عشق کی داستان درج ہے۔

"پدماوت" کا سب سے پہلا دکنی ترجمہ عہدِ ابو الحسن تانا شاہ (1672ء تا 1687ء) کے شاعر غلام علی نے سنہ ۱۰۹۱ھ میں کیا تھا[۲۶]۔ غلام علی کے تقریباً ستّر سال بعد ولی ویلوری نے "پدماوت" کا ترجمہ "رتن پدم" کے نام سے کیا۔ یہ عین ممکن ہے کہ یہ مثنوی بھی نوابانِ سدھوٹ کی ایماء پر لکھی گئی ہو، جیسا کہ محمد ابنِ رضا کا ترجمہ قصیدۂ بردہ، حیدر ابنِ جعفر کی مثنوی اضافہ "پھول بن" اور قدر عالم کی مثنوی "فقہ محفوظ خانی" وغیرہ سدھوٹ کے نوابوں کی خواہش و فرمائش پر رقم کی گئی تھیں۔

ولی ویلوری کی "رتن پدم" کا واحد نسخہ بقول اسپرنگر (مرتب کیٹلاگ) کتب خانۂ توپ خانہ، اودھ (لکھنؤ) میں تھا۔ اس نسخہ کے چار سو (455) صفحات تھے، جس میں کم و بیش (4,000) چار ہزار اشعار تھے، اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

خدایا تو ہے پاک پروردگار
نرنکاری و آنار واچھی اپار
(بے شکل) بے مثل (ہے) بے پناہ

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے۔ منجملہ ان کے دو مقامات یہ ہیں:

ولی تیرے کرم کی ہے مجھے آس
(امید)
نہ کر اس آس کوں ہرگز تو نراس
(کو) (ناامید)

ولی ہے یو سبب خالی بہانہ
(یہ)
اُسی کا کام ہے دینا دلانا[۲۷]

اس مثنوی کی تاریخِ تصنیف اس کی داخلی شہادتوں کی بنا پر مابین سنہ ۱۱۶۴ھ تا سنہ ۱۱۶۹ھ قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ اس لیے کہ ولی ویلوری نواب عبدالمجید خان میانہ کے دورِ اقتدار میں سات گڑھ سے سدھوٹ حاضر ہوئے تھے جس کا ثبوت مثنوی کے دیباچہ میں رقم شدہ درجِ ذیل اشعار سے ملتا ہے۔ چناں چہ ولی نے کہا تھا: ؎

حراست خان امیر اک نامور تھا
سکونت گاہ اس کوں سات گڑھ تھا
(اس کی)

اَتھا او اہلِ درد و نیک اعمال
رفاقت میں اَتھا میں اس کے خوشحال
(تھا)(وہ) (تھا) (اس کی)

قضا را واں سوں ہو قسمت نے برخاست
سو آیا میں طرف کڈپہ کے دھر خواست
(قضا کے سبب) (وہاں سے) (پس) (پاس)

نواب عبدالمجید ابن الحمید ایک
اَتھا واں نامور صوبہ سعید ایک
(تھا) (وہاں)

سو او بہرِ شجا پروانہ لکھ کر
بَسِلکِ نوکراں میں منسلک کر
(پس وہ) (اس بہادر کے لیے) (ذکر کے)

تعین کر مجکو سدھوٹ کو روانہ
کیا وہ صاحبِ تنبیر یں زمانہ
(مقرر) (مجھ کو)

سو حسب الحکم میں سدھوٹ کو آیا
زنگار رنگ واں تماشے میں نے پایا[28]
(پس حکم کے مطابق)

عبدالمجید خان میانہ نے اپنے چچا نواب عبدالمحسن خان میانہ ولدِ نواب عبدالنبی خاں کے معزولی کے بعد سنہ ۱۱۶۴ھ میں زمامِ حکومت سنبھالی تھی اور پورے پانچ برس بڑے ہی رعب داب اور طمطراق کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد سنہ ۱۱۶۹ھ میں حاکم ستارا بلونت راؤ مراٹھا اور قلعدار گتی مراری راؤ کی مشترکہ فوج کے مقابلے میں دادِ شجاعت دیتا ہوا جام شہادت نوش کیا تھا[29]۔ اس تاریخی واقعہ سے

سے اس بات کا پتہ لگانا سہل ہے کہ یہ مثنوی سنہ ۱۱۶۴ھ کے بعد سنہ ۱۱۶۹ھ کے قبل لکھی گئی تھی اور اس سے اس امر کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ولی ویلوری کے آخری دور کی مثنوی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنی پہلی مثنوی "روضتہ الشہداء" سنہ ۱۱۳۷ھ میں کہی تھی۔ اگر اس وقت آپ کی عمر تیس ۳۰ یا پینتیس ۳۵ سال بھی رہی ہو گی تو رتن پدم کے وقت آپ ساٹھ ۶۰ یا پینسٹھ ۶۵ کے پیٹے میں ہوں گے۔ بہر حال یہ مثنوی آپ کی شاہ کار مثنوی ہے۔ جس میں مشاقی اور کمالِ فن کا بھرپور استعمال ہوا ہے۔ بالخصوص زبان و بیان کے اعتبار سے ولی دکنی (متوفی سنہ ۱۱۵۵ھ) جیسی کیفیت اس مثنوی میں نمایاں ہے۔ اسی لیے بعض تذکرہ نگاروں (مؤلف "تذکرۂ شعرائے دکن" اور مرتبِ "گلِ رعنا" وغیرہ) کو ولی ویلوری کے کلام پہ ولی دکنی کا مغالطہ ہوا تھا۔ مثال کے لیے ولی ویلوری کی مناجات کا ایک بند ملاحظہ ہو: ؎

یا الٰہی از طفیل انبیا ہور اولیاء — غوث ہور اقطاب ہیں جتنے جہاں کے اصفیا
آبرو رکھ دو جہاں میں ہے ولی کی التجا — ہے وہ بندہ کمتریں مجھ حال پر احسان کرو[30]

ولی ویلوری کی دیگر تصانیف میں "روضتہ الانوار" (سنہ ۱۱۵۹ھ) "روضتہ العقبیٰ (سنہ ۱۱۶۲ھ) "دعائے فاطمہ"، "مناجاتِ ولی"، "تنبیہ نامہ" اور "اگر و ملاکیر" کا پتہ چلتا ہے[31]۔ ولی کی طرف منسوب ایک اور مثنوی "وفات نامۂ نبیؐ" کتب خانۂ سالار جنگ کی زینت ہے، چوں کہ یہ ناقص الآخر ہے، اس لیے قطعیت سے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ معروف محقق ڈاکٹر محمد علی اثر کی رائے میں مرتب فہرست نصیر الدین ہاشمی نے لفظ "و لئے" کو "ولی" (تخلص) پڑھ لیا ہے، مگر راقم الحروف اس سے متفق نہیں ہو سکا ہے۔ بہر حال مثنوی "وفات نامۂ نبیؐ" کی تفصیل اس طرح ہے:

نمبر کتاب (43) سائز (4x6) صفحہ (216) سطر (7) خط نستعلیق کاغذ دیسی، مصنف ولی ویلوری، تاریخ تصنیف مابعد سنہ ۱۱۵۰ھ، ناقص الآخر۔

مثنوی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — عشق کے فرمان کا طغرا قدیم

نقطۂ 'با' مرکزِ اسرار ہے عشق (کا) بھی حرف دیکھو یار ہے

اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے :۔

ہم کو چلیا چھوڑ نوں وا احمداہ سارے کمر توڑ نوں وا احمد اہ

ختمِ نبوّت کیا وا احمداہ سب پہ بڑا غم دیا وا احمد اہ

بہر حال ولی ویلوری کا ذکر کڈپہ کی ادبی تاریخ میں اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کی وابستگی زمانۂ دراز تک سدھوٹ کے دربار سے رہی، علاوہ ازیں مثنوی رتن پدم سدھوٹ ہی میں معرض وجود میں آئی ۔ اس طرح ولی ویلوری کو شعرائے کڈپہ میں ایک امتیازی شان حاصل ہے۔

حضرت شاہ میر (اول) میر راچوٹی

حضرت سید شاہ محمد حسینی ملقب بہ شاہ میر، حضرت سید شاہ جمال الدین بخاری جمال راچوٹی (متوفی ۱۱۶۲ھ) کے فرزندِ کلاں اور حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت بخاری (متوفی ۷۸۵ھ) کی اولاد سے تھے۔ حضرت شاہ میر اپنے والدِ ماجد شاہ جمال اور اپنے جدِ امجد شاہ کمال بخاری کے ہمراہ نوابِ شاہ نور (بلگاؤں) عبدالرؤف خان میانہ عرف دلیر جنگ کے عہد (۱۱۱۰ھ۔۱۱۳۲ھ) میں بیجاپور سے شاہنور منتقل ہوئے۔ شاہنور میں ایک مدت قیام پذیر ہونے کے بعد اہل اللہ کا یہ قافلہ کرم کنڈہ (ننرہ مدنپلی، آندھرا) میں فروکش ہوا اور یہیں آپ کے جدّ اعلیٰ و سالارِ قافلہ حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری (اول) کا وصال ہوا۔ ایک عرصہ اس علاقہ کو اپنے انوارِ ہدایت سے منوّر کرنے کے بعد یہ مختصر قافلۂ اہلِ دل بدویل (ضلع کڈپہ) کی طرف چل پڑا، حضرت شاہ میر نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ۱۱۳۱ھ و ۱۱۳۲ھ کے دوران بدویل میں قیام فرمایا تھا۔ جس کا ثبوت کتب خانۂ سعیدیہ، حیدرآباد ۔ مخزونہ نسخہ "الملل والنحل" مصنفۂ علامہ شہرستانیؒ کے ترقیمہ سے ملتا ہے۔ یہ کتاب حضرت شاہ جمال نے اپنے دستِ مبارک سے قیام بدویل کے زمانے میں ۱۱۳۱ھ میں تحریر کی تھی۔[۳۲] بدویل میں مختصر قیام کے بعد آپ مع والد قبلہ راچوٹی (ضلع کڈپہ) تشریف لائے اور والد کی وفات

۱۱۶۲ھ تک یہیں مستقل سکونت پذیر رہے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دونوں چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ نور اللہ قادری نورؔ اور حضرت سید شاہ کمال اللہ قادری کمالؔ بھی رائچوٹی میں مقیم رہے۔

رائچوٹی اس زمانہ میں عبدالحسین خان میانہ ابنِ نواب عبدالنبی خان میانہ عرف حسین میاں کی جاگیر تھی۔ یہ پورا علاقہ سرکارِ سدھوٹ کے ماتحت تھا۔ اور سدھوٹ حسین میاں کے برادرِ خورد نواب عبدالمحسن خان عرف موچیا میاں کہ جن کے نام سے کڈپہ میں موچم پیٹ گلی آج بھی آباد ہے، کی حکمرانی تھی۔ مگر موچیا میاں کی ناعاقبت اندیشی، عیش پسندی اور نااہلی کے سبب سارا علاقہ بدامنی کا شکار تھا۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت شاہ میر اپنے والدِ بزرگوار کے وصال کے بعد آپ کے عقیدت مند نواب تلپولی (علاقہ کدری، ضلع اننت پور آندھرا) عبدالقدوس خان میانہ کے شدید اصرار پر تلپول تشریف لے گئے اور وہیں پر ایک سو پانچ سال کی عمر میں ۳ رجمادی الاول ۱۱۸۶ھ کو آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کا مزار شریف آج بھی زائرین کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ آپ کی ظاہری تعلیم و باطنی تربیت اپنے جدّامجد اور والدِ ماجد کے زیرِ ظلِّ عافیت ہوئی۔ آپ عالم باللہ اور واصل مع اللہ شخص تھے، آپ نے جاہلیت کی ظلمتوں میں عرفان و آگہی کی شمعیں جلانے کے لیے اپنی عمرِ عزیز صرف کر دی، آپ کا مشہور قول ہے کہ "جذبِ ناقص وہ ہے جس میں سلوک نہ ہو اور سلوکِ ناقص وہ ہے جس میں جذب نہ ہو" اس قول کی روشنی میں آپ ایک مجذوب سالک تھے۔ آپ نے ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ "آج کل کے قوائے جسمانی سخت ریاضت کے متحمل نہیں اس لیے علم الیقین وعین الیقین سب سے مقدم ہے۔"[۳۲] آپ نے اپنی تعلیمات کو نظم و نثر کے سلجھے ہوئے پیرائے میں پیش فرمایا تھا۔ آپ شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی، آپ کی شاعری ایک طرف اسرار و رموز کا خزینہ ہے تو دوسری طرف کمالِ فن اور مشّاقی کا بہترین نمونہ، آپ کی نثر طرزِ قدیم پہ ہونے کے باوجود تصوّف و فلسفہ اور

علم کلام و علم وجدان کی متحمل ہی نہیں بلکہ شگفتگی و سنجیدگی کی بھی آئینہ دار ہے۔ شاید اسی خوبی کی طرف آپ نے اپنے شعر میں ارشاد فرمایا ہے۔ ؎

میرؔ تو میر محض ہے نہ فقیر   ناظمِ محض ہے نہ ناثرِ محض

مشہور مصنف و محقق محمد سخاوت مرزا مرحوم نے اپنے طویل معرکۃ آرار مضمون "سید محمد حسینی الملقب بہ شاہ میر راکچوٹی" میں آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ ان کا جامع تعارف و تبصرہ بھی پیش کیا ہے۔ کتابوں کے نام اس طرح ہیں :-

۱۔ اسرار التوحید   ۲۔ رسالۂ عینت و غیریت

۳۔ رسالۂ قادریہ   ۴۔ عقائد صوفیہ   ۵۔ انتباہ الطالبین

۶۔ دیوانِ شاہ میر   ۷۔ ضیاء العیون   ۸۔ رسالۂ لوزیہ

۹۔ نہ بطونِ چشتیہ ———— آپ کے ایک تذکرہ نگار حضرت حکیم سید محمود بخاری صاحب نے بھی مذکورہ کتابوں اور رسالوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد کے کتب خانہ میں ایک منظوم رسالہ "مدح میراں" کے نام سے موجود ہے جس کو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ مرحوم نے آپ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس رسالہ کی تفصیل اس طرح ہے :

(115) "مدحِ میراں" (658) اوراق (3) سطور (16) فی صفحہ، تقطیع (4 × ½7) خط ثلث معمولی، مصنف شہ میر، زمانۂ تصنیف قبل سنہ ۱۱۰۰ھ

آغاز :-

سرمست ہے معبود کا، یا قادری میراں مدد   محبوب ہے موجود کا، یا قادری میراں مدد

تو قطب ربانی صحی، محبوب سبحانی صحی   یعنی ابو القاسم صحی، یا قادری میراں مدد

اختتام :-

محی الدین ولی ہے پیار کا، معشوق ہے کرتار کا   عاشق ہے حق دیدار کا، یا قادری میراں مدد

تقوی منجے ہوئے دھیر کا، تے ملح کوں ہیں پیر کا   سچ پیر توں شہ میر کا، یا قادری میراں مدد[۳۴]

حضرت شہ میر اول میرؔ تخلص فرماتے تھے مگر مذکورہ بند میں حضرت کا لقب

شاہ میر بطورِ تخلص استعمال ہوا ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور شہ میر ہونگے لیکن راقم کی رائے میں یہ حضرت شہ میر کے ابتدائی دور کا کلام ہونا ممکن ہے، کیوں کہ نظم کے لب و لہجہ سے وہ پختگی نمایاں نہیں ہے جو آپ کے اشعار کا خاصہ ہے۔ الغرض آپ کی شاعری اصطلاحاتِ صوفیہ، تشبیہات وکنایات اور نوع بہ نوع عمدہ الفاظ سے مملو ہے۔ آپ کا رنگِ تغزل عشقِ حقیقی اور جذب و مستی سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سب ذوات اوس کی ذات کے پرتو — سب صفات اُوس صفات کے پرتو
سب علوم اوس کے علم کے اظلال — سب حیات اُس حیات کے پرتو
قدرتاں ہور اراداتاں سب کے — اوس تو انست و خواست کے پرتو

•

جانِ جاں لاالٰہ الاّھو — سب جہاں لاالٰہ الاّھو
بہر تحصیل رویت مطلق — نردباں لاالٰہ الاّھو
صفحۂ دل پو سٹ کرو تحریر — مومناں لاالٰہ الاّھو

•

خدا پاک ہور محمدؐ پاک ہیں پاک — گماں، نقصاں ہور امکاں سے بیباک
عاجزِ صرف ہوں نہ قادرِ محض — مومن صرف ہوں نہ کافر محض
واجبِ محض ہوں نہ ممکن صرف — باطنِ صرف ہوں نہ ظاہر محض

•

ایس کوں پاک کر شرک خفی سے — کہے بردہ ہیں ہیں طیفور انا الحق
حقیقت ہیں کہیں ہر دم ہمہ چیز — نبات و وحش و مرغ و مور انا الحق
انا الحق با ھو الحق جمع کر میر — ہوئے تا تو سراپا نور انا الحق

•

تیرا خدا ہے جو کہ ترے سے جدا نہیں — جو کوئی جدا ہے تجھ سے او تیرا خدا نہیں

بیدل کے ساتھ جو کہ رہے دلربا مدام
ناہوا گر وہ ساتھ ترا دل رُبا نہیں
جیساکہ اصل چھاؤں سے یک دم نہیں جدا
گر ہو جدا تو اصل او اُوس چھاؤں کا نہیں

•

اے دل پچھان تن کو ترا ہے سرا یہی
ماوٰی یہی، معاد یہی، ملتجا یہی
مابوج اپنے تن کو ہوئے ہیں بہت خراب
غفلت یہی، حجاب یہی ہور عمٰی یہی
پہچان لے تو جینے تلک اس تن کی ماہیت
مقصد یہی، مُراد یہی، مدعا یہی
گر آرزوئے ذوقِ خرابات ہے تجھے
ساقی یہی، شراب یہی، دلربا یہی
کہتا ہے میر پیر کے ارشاد سوں نہ آپ
اللہ یہی، رسول یہی، رہ نما یہی[۳۵]

حضرت شہ میر کی نثر کا نمونہ ملاحظہ ہو:

"المقصود ابتدا ہمارا اللہ سوں ہی یعنی وجودِ حق سوں، کیا واسطیکہ
(سے) (ہے) (سے) (کس لیے کہ)
خقیقت ہماری نیست ہی بی شک وشبہ اول ہمیں تھے نیں، آخر ہمیں رہیگی نیں
(نہیں ہے بے شک) (تھے نہیں) (رہیں گے نہیں)
پس جو چیز کہ اول نیں ہور آخر نیں سو درمیانی کہاں سوں ہوا ہی اگر ہی نہ دا کہے تو
(نہیں) (سے) (ہے) (ہوا ہے)
قلب حقیقت لازم آتا ہی غرض ہی ہی سو ہمیشہ ہتا ہی ہور نیں ہی سو ہمیشہ نیں ہی
(رہے) (ہے ہے) (رہے) (اور نہیں ہے) نہیں ہے
پس ثابت ہوا جو ہمیں آپس سوں نیست ہیں ہور وجودِ حق سوں ہست ہوی ہیں تو
(سے) (نہیں ہیں) (اور) (سے) (موجود)
یعنی نیست ہست نما ہی - پس حق تعالیٰ ہست نیست نما ہی . . . . .
(معدوم ہیں مگر موجود جیسے ہیں (اللہ تعالیٰ موجود ہے مگر معدوم جیسا ہے۔)
اُیطالب خدا کی ذات وجود ہی ہور اُوس وجود کی کمالاتکو صفات کہتے
(اے طالب) (ہے) (اور) کے (کمالات کو)

ہیں، اول کمال وجود کا یو ھے کہ وجود کو نیست ہونا نہیں ہور ہمیشہ ہست رہنا ھے

اس کمال کو حیات کہتے ہیں ۔ ۵

بہرحال حضرت شاہ میر کی نظم ونثر کے نمونوں سے آپ کی علمی و ادبی شخصیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے ۔

شاہ قدرِ عالم

حضرت سید شاہ قدرِ عالم قادری بارھویں صدی کے نصف آخر کے شعراء میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں ۔ آپ ساداتِ سدھوٹ سے تعلق رکھتے تھے آپ کے والدِ بزرگوار کا اسم گرامی حضرت سید شاہ بدرِ عالم قادری تھا۔ شاہ بدرِ عالم آپ کے نہ صرف شفیق باپ تھے بلکہ کرم فرما استاد اور مرشد مربّی بھی تھے ۔ جیسا کہ کتب خانۂ آصفیہ میں موجود آپ کی مثنوی "فقہ محفوظ خانی" کی فصل ہفتم کے عنوان اور اشعار سے پتہ چلتا ہے ۔ ۵

"فصل ساتواں بیچ توصیف مرشدی و والدی شاہ بدرِ عالم"

کہوں میں پیر کا اپنے بیاں اب ۔ وہی ہے قبلہ گاہ میرے مشرب
(میرِ مشرب)

منوّر نام شاہِ بدرِ عالم ! ۔ سچے بدرالزماں، بدرالمقدّم
(سچ ہے)

دیا جن کو فضیلت فضل کر رب ۔ اچھیں تحصیل جن کو علم سب جب
(فضل کرکے ربنے) ۔ (ہوئیں)

نہیں کوئی علم باقی انستی دور ۔ اچھے سب علم میں او سینہ معمور
(کوئی) (اُن سے) ۔ (ہے)

اچھے وہ شارحِ شرعِ شریعت ۔ اچھے وہ سالک سلکِ طریقت
(ہے) ۔ (ہے)

محقق ہیں حقیقت میں مکمل　　　معرّف معرفت سیتی مشکّل

(سے)

وہ مرشد ہادی شاہ ید اللہ　　　جو تھا معراج کا راز ید اللہ

وہی رکھو سراوپر توہات یا پیر　　　جو ہووے اس علم کا منج سہل تدبیر

(سر پر) (ہاتھ)　　　(ہو جائے)　　　(کی، مجھے)

شاہ قدر عالم عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ہی شیخ طریقت اور صوفی بھی تھے۔ آپکے قادری المشرب ہونے کا ثبوت حضرت غوث اعظمؒ کی منقبت کے آخری شعر سے ملتا ہے۔ ؎

خلیفہ جس کے شاہ بدرعالم　　　منوّر دل، منور اسم عاظم (اعظم)

آپ بہت ہی منکسر المزاج اور متوکل الی اللہ بزرگ تھے۔ "دربیانِ عجز و انکساری خود و مدد توفیق از حق تعالی" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ؎

الہٰی توں سچا دانا و بینا　　　یو عاجز قدر عالم ہے کمینا

(تو) (صحیح)　　　(یہ)

مذکورہ فصل کا آخری شعر جسمیں مثنوی کا نام بھی آگیا ہے، اس طرح ہے: ؎

"فقہ محفوظ خانی" نام اسکا　　　دعا دیوے پڑیگا جو سنیگا

(پڑھے گا)

شاہ قدر عالم نواب زادوں کے اتالیق تھے، نواب عبدالکریم خان ولد عبدالحمید خان میانہ کہ جن کی خواہش پر ابن جعفر نے مثنوی "پچھوں بن" میں اضافہ کیا تھا، انھیں نواب صاحب کے فرزند محفوظ خان تھے، جنھیں آپ کے شاگرد رشید ہونے کا شرف حاصل تھا محفوظ خان کی تعلیم و تربیت کی خاطر ہی شاہ بدر عالم نے یہ ضخیم مثنوی جو فقہ و عقائد پر مشتمل ہے تحریر کی تھی اور انھیں کے نام سے مثنوی منسوب بھی کی تھی۔ چناں چہ "دربیانِ سببِ تالیفِ "فقہ محفوظ خانی" گوید کے تحت فرماتے ہیں:-

اچھے محفوظ خان نام جواں بخت　　　جواں عمر و جواں طالع و دولت

(رہتے یا ہو)

اچھے ابن الکریم خان قوم افغان (ہے) — تریں ہے قوم میں معروف افغان ... (دانسان) (معروف ترین ہے)

الٰہی دے ہدایت خانِ مند کو — اسے کر دین کی نعمت سے معمور
توں دے توفیق عبادت کی اسے جم (تو) — رہے وہ سرنگوں بندگی منے خم

دکھا دیدار تو روز قیامت (ہر دنت) — محمدؐ مصطفٰے کا دے شفاعت (میں)

الٰہی قدرِ عالم کی دعا کوں (کو) — تو کر مقبول دعا کے مدعا کوں (کی) (کو)

حضرت قدرِ عالم کا دورِ عبوری تھا، سدھوٹ سرکار میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ نواب حیدر علی خان نے ۱۱۹۱ھ میں قلعہ سدھوٹ فتح کر لیا تھا اور آپ کی طرف سے میر رضا علی خان قلعدار سدھوٹ مقرر ہوئے تھے۔ میانہ خاندان کے آخری نواب عبدالحلیم خان میانہ (۱۱۲۳ھ - ۱۱۹۱ھ) قلعۂ سدھوٹ سے شہر شری رنگ پٹن منتقل کر دئے گئے تھے، بعد کو وہیں ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ نواب عبدالحلیم خان کے داماد سید محمد نے مچھلی پٹنم میں متعین انگریزی فوج کی مدد سے سدھوٹ کو واپس لینے کی بے وقت جدوجہد بھی کی تھی جو ظاہر ہے رائیگاں گئی۔ انھیں میر قمر الدین خان ابنِ میر رضا علی خان کے ہاتھوں شکستِ فاش اٹھانی پڑی اور بعد ازاں وہ حیدر آباد چلے گئے۔[۳۸]

بہر حال اسی عبوری دور میں آپ نے قلم اٹھایا، سیاسی ابتری اور حالات کی کشمکش سے بلند و بالا ہو کر تعلیم و تربیت، اصلاحِ معاشرہ اور تزکیۂ نفس کا کام جاری رکھا۔ چناں چہ "فصل سیوم کار ہائے شرک بر فرزنداں" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں :۔

نہ رکھ بانت کے چوٹیاں سر کے اوپر (نذر) — کفر و بدعت کے کاماں ہیں یہ اکثر

کرامت سوں جھیدیں ناک اور کان یہ سب بدعت ہے منکر اے مسلماں!
(منت و نذر سے) (نہ کر)

آپ نے اپنی معرکۃ الآرا یادگار مثنوی "فقہ محفوظ خانی" کو قلم بند کرنے کی ابتداء ۱۰ ر جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ سے کی اور تقریباً دو ماہ کی قلیل مدت میں اس کو مکمل کرتے ہوئے ۱۵ ر شعبان بروز شب برات ۱۱۹۹ھ اس کا حسنِ اختتام فرمایا، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے :- ؎

ھوا آغاز نامہ ھجرِ احمد جو نو اوپر نود گیارا اتھے صد
(تھے) ۱۱۹۰ھ

اچھے دسویں جمادی الثانی آغاز او پندرہ باب، ایک سو دو فصل سا
(آغاز) (۱۵) (۱۰۲)

مرتّب شب براتِ ماہِ شعبان اگیارہ سو نود ہور نو تھے برساں
(مرتب ہوی) (۱۱۹۹) اور

جو ہجرت سوں نبی خیر الوریٰ کے (جو ھے) تاریخ محمّدؐ مصطفٰےؐ کے
(سے) (کی) (کی)

بحقِّ مصطفٰے کے ختم مرسل ہوا یو فقہ نامہ شرفِ اکمل
(یہ)

اس کی تاریخ تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عہدِ ٹیپو سلطانؒ (۱۱۹۶ھ - ۱۲۱۳ھ) میں تحریر کردہ مثنوی ہے۔ جب کہ سدھوٹ قلمروئے ٹیپو سلطانؒ میں شامل تھا۔ انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ اس مثنوی کو عہدِ سلطانی کی ممتاز مثنویوں میں شمار کیا جاتا مگر تا حال کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ چوں کہ اس مثنوی کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے نوابانِ سدھوٹ سے رہا ہے اس لیے اس مثنوی کو بھی انہیں نوابوں کی خدمات کا تسلسل قرار دیتے ہوئے مایہ ناز محقق، محسنِ اردو، نصیر الدین ہاشمی مؤلفِ "یورپ میں دکنی مخطوطات" کا اعترافی بیان پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ادب

اردو میں سدھوٹ کا مقام نمایاں ہو سکے۔

"اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ ان قلعداروں (نوابانِ سدھوٹ) کی پوری مدت جدال و قتال میں بسر ہوئی۔ شروع سے آخر تک میدانِ جنگ سے فرصت نہیں ملی۔ ان کو اتنا موقع نہیں ملا کہ اطمینان اور دلجمعی سے کسی علمی کام میں مصروف ہوتے اور علم و ہنر کی ترویج کی جانب متوجہ ہوتے۔ باوجود ان تمام امور کے جب ہم اردو ادبیات میں ان کے کارہائے نمایاں دیکھتے ہیں تو ہم کو ان کی علمی قدردانی اور علمی سرپرستی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ باوجود اپنی جنگی مصروفیات کے انھوں نے بہت کچھ کیا۔ اردو کی ترقی میں انھوں نے جو حصّہ لیا اس کی پوری تفصیل اس لیے ناممکن ہے کہ زمانے کے دست برد سے تصنیفات معدوم ہو چکے ہیں۔ شعراء اور مصنّفین کے نام پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ ان کے کارنامے گوشۂ گمنامی میں پنہاں ہیں۔ مگر جو کچھ بھی ہیں اس امر کے لیے کافی ہے کہ ان کے سرپرستوں کے ناموں کو زندہ رکھے اور تاریخِ اردو میں ان کو مناسب جگہ دی جائے۔" ۳۹ع

اس مثنوی سے ایک تاریخی مغالطے کے ازالہ کی راہ ہموار ہوتی ہے وہ یہ کہ اکثر جنوبی ہند کی تاریخوں میں مرقوم ہے کہ نواب حیدر علی خان نے سدھوٹ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے نواب عبدالحلیم خان میانہ اور ان کے تمام افرادِ خاندان کو سری رنگ پٹن روانہ کر دیا۔ حالاں کہ شاہ قدر عالم کی مثنوی سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۹ھ میں بھی خاندانِ حلیم خان کے لواحقین و اقربا سدھوٹ ہی میں قیام پذیر تھے اور باعزت زندگی گزار رہے تھے۔

بہر حال مثنوی "فقر محفوظ خانی" کے دریافت شدہ تین ۳ نسخوں میں سے دو کتب خانۂ نواب سالار جنگ میں اور ایک کتب خانۂ آصفیہ (اوری ینٹل مینوسکرپٹ لائبریری) حیدر آباد میں محفوظ ہیں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:-

کتب خانۂ سالار جنگ کا پہلا نسخہ:-

نام کتاب: فقرِ محفوظ خانی، مصنف: قدر عالم، تصنیف سنہ ۱۱۹۹ھ،

اوراق: ۱۴۷، سطور فی صفحہ: ۱۴، سائز: ۶×۹، خط: نستعلیق، کتابت ۱۲۷۷ھ
پہلے صفحہ پہ سالار جنگ میر یوسف علی خان ۱۳۱۷ھ کی مہر مستطیل ثبت ہے۔

ابتداء:

کہوں میں حمد رب العالمیں کا — کیا گلشن منوّر اپنے دیں کا
غنی تھا آپ اپنی ذات میں جم — نہ تھا کوئی ذات بیتے اس کی محرم
(سدا) — (کوئی) (سے)
نہ عالم تھا نہ آدم کا نشاں تھا — نہ کوئی ذات صفات و ناگماں تھا
ایس ہیں آپ کا طالب تھا معبود — بغیر از اصل کیتا سب کو موجود
(کیا)
حقیقی سب کا آپی اصل ہو کر — کیا سب شیئ کو اپنا پاک مظہر
(آپ ہی)
کیا یک مشتِ گِل کا نام انساں — دیا ہے جان و ایماں عقل و عرفاں
(مٹھی بھر مٹی)

اختتام: (از مصنف)

نہایت نیں ہے تیری مغفرت کوں — جو بخشش ہے نہایت معصیت کوں
(نہیں) (کو)
دنیا میں ہے ملک تیری رضا دے — قیامت بیں صباح تیری رضا دے
(تک) (کل)
عذابوں سے حشر کے بخش یارب — مجھے رکھ اپنے افعالوں مقرّب
(مجھے) (کاموں میں)
الٰہی قدر عالم کی دعا کو — توں بر لا تو بجہ میری مدّعا کو
(تو) (تو ہی)

اختتام (از کاتب)

ہو تم شفیع محشر، یا مصطفیٰ محمدؐ	جن و بشر کے سرور یا مصطفیٰ محمدؐ
تم سا کوئی ہوا ہے اور حشر تک نہ ہوگا	دونوں جہاں کے سرور یا مصطفیٰ محمدؐ
ہستی تمہاری یکسر ہے رحمتِ الٰہی	نابود و بود اندر یا مصطفیٰ محمدؐ
یہ آرزو ہے دل میں روضے کے تیں تمہارے	ہم سر سے جائیں چل کر یا مصطفیٰ محمدؐ
خاک اس مکاں کی لے کر کحل البصر کریں ہم	ہووے اگر میسّر یا مصطفیٰ محمدؐ
نعلین پا تمہارے جو تاجِ خسرواں ہے	ہووے ہمارے سر پہ یا مصطفیٰ محمدؐ
پلکوں سے روضہ جھاڑوں سر آستاں پہ رکھوں	واروں یہ دل سراسر یا مصطفیٰ محمدؐ

دوسرا نسخہ :۔

فقہ محفوظ خانی نمبر ۹۱ - اوراق 133 - سطر ۱۷ - سائز 12x7 ناقص الاول

ترقیمہ ندارد -

کتب خانۂ آصفیہ :۔

فقہ محفوظ خانی : (نمبر فقہ حنفی : 306) سائز 9x6، صفحہ 366 - سطر ۱۳،
خط نستعلیق - مصنف قدر عالم - تاریخ تصنیف سنہ ۱۱۹۹ھ تاریخ کتابت سنہ ۱۲۳۶ھ

ترقیمہ :۔ بتاریخ بست و چہارم ذی قعدہ سنہ ۱۲۳۶ھ بروزِ جمعہ بوقتِ عصر بمقام الوال حسن انصرام یافت -

نصیر الدین ہاشمی کی اطلاع کے مطابق جامعۂ عثمانیہ میں بھی فقہ محفوظ خانی کا ایک نسخہ ناقص الاول موجود ہے -

حضرت قدر عالم کے حالات کا کماحقہٗ علم نہ ہو سکا - تعجب ہے کہ سوائے ڈاکٹر فہمیدہ بیگم غنٹہ ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، نئی دہلی) کے کسی تذکرہ نگار نے آپ کا نام تک نہیں لیا ہے - حالاں کہ شاہ قدر عالم اپنے زمانے کے قد آور شاعر تھے - آپ کی شاعری قدیم ہونے کے باوجود لسانی اعتبار سے حیرت انگیز حد تک شستہ اور منجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے - آپ کو زبان و بیان پر کامل گرفت حاصل رہی ہے - بارھویں صدی ہجری کے شاعر ہونے کے باوجود آپ کی شاعری میں اس دور کے قدیم دکنی الفاظ کم اور فارسی

الفاظ و تراکیب زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔ آپ نے نئے الفاظ کو بڑے حوصلے اور سلیقے سے برتا ہے۔ جس کی نظیر ولی دکنی اور شاہ کمال کے علاوہ کہیں اور ملنا مشکل ہے۔ آپ کی مثنوی "فقہِ محفوظ خانی" کا لسانی اعتبار سے مطالعہ بہت سے خوش گوار نتائج کا حامل ہوگا۔ نمونتاً اسی مثنوی میں شامل آپ کی ایک نعتِ شریف پیش کی جا رہی ہے:

محمدؐ ہے ظہورِ حق ممجّد — ظہورِ حق ہوا ذاتِ محمّدؐ

محمدؐ گرچہ صورت میں عرب ہیں — نکالو عین، دیکھو عینِ رب ہیں (گرچہ)

احد واحد میں برزخ ذات او پاک — ہوا ہے جس سبب عالم پو افلاک

نشاں ہے بے نشاں کا ذات احمد — مکاں ہے بے مکاں کا ذات احمدؐ

محمدؐ نورِ حق کا بے گماں ہے — کہ جس کے نور سیں روشن جہاں ہے (سے)

کہ جس پر حق کیا ختمِ نبوّت — وَحیِ کر سب دیا قرآں کے آیت

ہوا قرآں صفت بیں جس کی نازل — محمدؐ سب نبیاں میں حق کے فاضل

اگرچہ صورتِ انساں اتھے او — سراسر معنیٔ سبحاں اتھے او (تھے)

امام المرسلیں جس کوں لقب ہے — شفیع المذنبیں امت کے سب ہے (کو)

دیا معراج میں حق راز اپنا — محمّدؐ کوں کیا ہمراز اپنا

محمدؐ برزخِ حق خَلق میانے — خدا کا راز عالم کو بتانے (درمیان)

خدا کا حکم ثابت ہم کو دیتے — گناہوں کو ہمارے بخش لیتے

اگر کوئی محکم پر اس کے چلے گا — او بے شک واصلِ حق ہو رہے گا

ولی، اوتاد، غوث، اقطاب ہی سب — بجالا امر کو پائے مرتبہ سب (ولی) (بجالاکر، پائے)

محمدؐ جس سوں راضی حق بھی راضی — جو مومن حکم بیں ہے ان کے راضی

محمدؐ مومناں کا پیشوا ہے — سکل عالم کا او دار الشفا ہے (کُل، تمام، وہ)

محمّدؐ آرسی ہے کبریائی — محمّدؐ سوں ہماری ہے رسائی

محمّد قبلۂ الواحد و موجود — محمّدؐ کعبۂ عابد و معبود

محمّدؐ پر صلوٰۃ اللہ ہر دم — بھی ان کی آل ہور اولاد پر جم (سُرقت)

شاہ قدرِ عالم نے اپنی مثنوی کے آخر میں اپنے سلسلۂ بیعت کا منظوم شجرۂ قادریہ بھی تحریر کیا ہے۔ اس طویل شجرہ سے حضرت غوث الاعظمؓ سے آخر تک کا حصہ پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ آپ کے روحانی فیوضات کے مراکز کا علم ہو۔ چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الٰہی قادری شجرے کی برکت	عنایت منجپو کر تیری عنایت
بحقِ بوسعیدِ شیخ سلطاں	بحقِ محی الدین صمدانی جیلاں
بحقِ شیخ تاج الدین رزاق!	بحقِ شیخ عبداللہ آفاق
بحقِ شیخ ابراھیم حُسینی	بحقِ شیخ جعفر نقش دینی
بحقِ شیخ علی حسن محمد	بحقِ محمد قادری جد
بحقِ عبد غفار ہور محمود	بحقِ شیخ رؤف و جانِ مقصود
بحقِ شیخ وہاب انس وجیہؒ	بحقِ شیخ عبداللہ قاضی
بحقِ شیخ ابی الفتح ہدایت	بحقِ شیخ ظہور حاجی عنایت
بحقِ شاہ محمد غوث گوالیرؒ	بحقِ شیخ شاہ پھول والخیر
بحقِ شاہِ پیر محمد	بحقِ شیخ آدم ہیں وہ سرمد
بحقِ شیخ شاہِ بایزدیدی	بحقِ شاہ رحمت اللہ شیخ ہادی
بحقِ شیخ شاہِ بدرعالم	اطال اللہ بقاانُ کا جماجم

شاہ قدرعالم کی اولاد و اخلاف میں سے آج بھی بعض افراد سدھوٹ میں موجود ہیں۔ جو اپنے آباو اجداد کے قیمتی علمی سرمایہ کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ الغرض حضرت قدرت عالم پر تحقیق جاری ہے۔

حضرت سیّد شاہ نوراللہ بادشاہ بخاری قادری نورکڈپہ

آپ حضرت سید شاہ جمال الدین بخاری جمالؔ راچوٹی (متوفی ۱۱۶۲ھ) کے منجھلے فرزند اور حضرت شہمیر (اولؔ) متوفی (۱۱۸۶ھ) کے برادرِ حقیقی تھے، آپ نے اپنے والد ماجد ہی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا پھر اپنے برادرِ بزرگ حضرت شہ میر سے

علمِ باطنی کی تکمیل کی، جس کا ثبوت آپ کی ایک فارسی غزل کے اس شعر سے ملتا ہے ؎

شہمیر کہ مرشد است و پیرم او ساختہ مرشدم ہمیشہ (تجلیاتِ نورانی ص ۳)

حضرت نور نہ صرف عالمِ بے ریا تھے بلکہ آپ صوفیٔ باصفا بھی تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی متوکّل علی اللہ اور واصل الی اللہ تھی۔ سخاوت و ریاضت میں آپ بے نظیر تھے، صاحبِ اثرِ اعتقاد نے لکھا ہے کہ "قائم اللیل و صائم النہار دائماً فی الصلوٰۃ والتحیات ہمکنار چنیں مشائخ بے ریا و بے تکلّف و صاحبِ سخا چشمِ جہاں ندیدہ باشد" ع۴۱ حضرت نور فرمایا کرتے تھے کہ "فقیر وہی ہے جو ہفتہ بھر سوائے ایک دو دن کے فاقہ کشی کرے۔" ع۴۲ یہ صرف آپ کا قول نہیں تھا بلکہ آپ اس پہ عامل بھی تھے، اسی وجہ سے آپ اپنے دور کے تمام نوابوں اور حاکموں سے یکسر کنارہ کش رہے۔ حتّٰی کہ ٹیپو سلطانؒ (متوفی ۱۲۱۳ھ) کے عہد میں بھی آپ نے اپنی شخصیت پوشیدہ رکھی، ورنہ حضرت ٹیپو، حضرت شاہ کمال کی طرح آپ کو بھی اپنے یہاں سری رنگ پٹن ضرور مدعو کرتے اور شرفِ باریابی سے مشرف ہوتے۔

امام محی الدین خان صاحب حامی ابنِ غلام محی الدین خان رحجا حیدرآبادی نے اپنی تالیف "اثرِ اعتقاد" میں آپ کا ایک غیر معمولی واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ: "آپ نے ایک مرتبہ اپنے خادم کے ہمراہ رائچوٹی سے ناگپور سفر فرمایا۔ وہاں آپ کا معمول تھا کہ ہر روز بعد نمازِ مغرب خادم کو ذکر و اذکار میں مشغول رکھ کر آپ کہیں تشریف لے جاتے اور واپسی تاخیر سے عشاء کے بعد ہوتی۔ ایک ہفتہ کے بعد خادم کے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ روزانہ مجھے تنہا چھوڑ کر شیخ خود کہاں جاتے ہیں؟ یہ سوچ کر اس نے ایک دن خاموشی کے ساتھ آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپ نے بھانپ لیا کہ کیا ماجرا ہے، آپ نے اپنے روحانی سفر میں اسے بھی ساتھ لے لیا۔ خادم کیا دیکھتا ہے کہ وہ رائچوٹی میں ہے۔ وہ حیران رہ گیا کہ ابھی ناگپور میں تھے اور پلک جھپکتے ہی رائچوٹی میں حاضر ہیں۔ بہرحال حضرت اپنے بزرگوں کے مقابر کے پاس تشریف لے گئے اور فاتحہ خانی کے بعد نمازِ عشا ادا فرما کر واپس پھر دفعتاً ناگپور تشریف لے آئے۔ یہ دیکھ کر خادم بہت نادم ہوا اور حضرت کے

قدموں پہ گر کے اس نے معافی چاہی۔ [۴۳]

آپ کا وصال شہر کڈپہ ہی میں ۱۲۱۴ھ میں ہوا اور آپ یہیں نہر داؤدی کے کنارے آسودۂ خاک ہیں۔ بہرحال جب حضرت سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری معروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ (متوفی ۱۲۸۹ھ) حجاز مقدس کا دوسرا سفر فرماتے ہوئے کڈپہ تشریف لائے تو یہاں آپ کا قیام آپ کے مرید جناب کمال الدین عرف باشاہ صاحب کے یہاں تھا [۴۴]۔ باشاہ صاحب کا مکان نبی کوٹ میں تھا۔ نبی کوٹ کڈپہ کے نواب خان بہادر عبدالنبی خان میانہ (۱۱۴۴ھ۔۱۱۸۵ھ) کے نام سے موسوم ہے۔ اسی نبی کوٹ سے متصل نہر داؤدی کے کنارے حضرت سید شاہ نوراللہ حسینی قادری نور کڈپوی کا روضہ شریف واقع ہے۔ حضرت قطب ویلور زیارت کے لیے حضرت نور کے روضے پر حاضر ہوئے تو بہت دیر وہیں رہے مراقب رہے۔ بعد ازاں آپ نے ارشاد فرمایا "یہ شیخ وقت تھے اور قرب نوافل سے گزر کر قرب فرائض بلکہ مقام قرب تک ان کی رسائی تھی"۔ [۴۵]

حضرت نور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ بقول مؤلف "اثر اعتقاد" فارسی اور اردو میں آپ کی پندرہ تصانیف ہیں۔ مگر کسی تذکرہ نگار نے ان سب کا نام اور تعارف پیش نہیں کیا ہے۔ البتہ مؤلف شہیری اولیاء نے ارشاد نوریہ (اردو منثور) تجلیات نورانی (فارسی منثور) عقائد نوریہ (اردو منظوم) عملیات نورانی (فارسی) کا مختصر ذکر فرمایا ہے۔ یہ چاروں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور کتب خانۂ آستانۂ شہیریہ کی زینت بڑھا رہی ہیں۔ البتہ راقم الحروف کی نظر سے حضرت نور کا ایک مطبوعہ رسالہ مسمّٰی "آداب المرشدین، و آداب المریدین فی جناب المشائخ المحبین و واصلین" گزرا ہے، جو اردو نثر میں ہے، اور اس کے جملہ صفحات ۱۶ ہیں۔ تاریخ طباعت اور ناشر کا پتہ وغیرہ کسی طرح کی تفصیل اس پہ درج نہیں ہے۔

الحاصل حضرت جمال کی نثری کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ آپ کو نثر نگاری میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ نے تصوف والٰہیات

کے دقیق مسائل اور حقائق و معارف کے مشکل مضامین کو بالکل عام فہم شائستہ وشستہ زبان میں پیش فرمایا ہے۔ جس سے ایک طرف آپ کی بلند حوصلگی اور رفعت علمی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف آپ کے مخاطبین کی جن میں اکثر عوام الناس رہے ہوں گے ذہنی بالیدگی اور اعلیٰ ظرفی کا بھی کافی ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ حضرت نور کی طرح آپ کے ہمعصروں میں حضرت باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) نے بھی عام فہم و صاف وسادہ زبان اپنے منظومات کے مقدموں کے لیے استعمال کی جس میں علمی و فنی مسائل و مباحث پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ بارھویں صدی کے اختتام اور تیرھویں صدی کی ابتداء میں شمالی ہند کی نثر جنوبی ہند کی، بالخصوص کڈپہ اور ویلور میں لکھی گئی نثر کی طرح صاف و شفاف نہیں تھی بلکہ وہاں کی نثر فارسی تراکیب کی کثرت مسجّع و مقفّیٰ عبارت اور شاعرانہ تصنّع کی وجہ سے کافی بوجھل اور بہت ہی گنجلک ہو گئی تھی۔ چنانچہ سید عبدالولی عزلت (متوفی ۱۱۸۹ھ) مرزا علی نقی خان انصاف حیدرآبادی (متوفی ۱۱۹۵ھ) اور مرزا محمد رفیع سودا (متوفی ۱۱۹۵ھ) کے نثری نمونوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مایہ ناز محقق ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تاریخ ادب اردو میں رقمطراز ہیں:۔

"اس نثر کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شمال میں اردو نثر ابھی اس دور سے گزر رہی ہے، جس دور سے اردو شاعری محمد شاہ کے ابتدائی دور میں گزر رہی تھی۔"

ڈاکٹر موصوف مرزا سودا کے حوالے سے کہتے ہیں:

"اس وقت تک شمال میں اردو نثر کا معیار قائم نہیں ہوا تھا اور اہل علم "سہ نثر ظہوری" اور "پنج رقعہ" کی انشاء پردازی کی پیروی کر رہے تھے۔ سودا کے اس دیباچے کی عبارت مقفّیٰ ہے۔ اکثر جملوں میں وزن کا بھی التزام ملتا ہے۔ اسی لیے ترکیب الفاظ اس طرح نہیں ہیں جس طرح بولنے میں آتی ہے۔ اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اسی لیے عبارت گنجلک ہو گئی ہے۔ سودا کے اسلوب پہ جملوں کی بناوٹ اور فارسی جملے کا اثر حاوی ہے۔" [۴۶]

بہرحال اب یہاں حضرت نورؔ کڈپوی کی نثر بطورِ نمونہ پیش کی جارہی ہے
تاکہ راقم کے دعویٰ کی اہمیت اور صحت کا صحیح اندازہ قائم ہو۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اوّل فرض بندۂ مکلّف پر ایمان ہے اور ایمان کلمہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی کلمہ میں بیان خدا کی وحدانیت کا اور رسولؐ کی رسالت کا ہے۔ جو کوئی خدا کی یگانگی کو رسول کی رسالت کو پایا اور تصدیق اقرار خدا کی یگانگی اور محمدؐ کی رسالت پر کیا' موحد اور مومن ہوا اسی واسطے کچھ بیان کلمہ کی معنی کا اور توحید کا' موافق شریعتؔ، طریقتؔ، حقیقتؔ، معرفتؔ کے واسطے طالبوں کے ہندی زبان میں سیّد نور اللہ بن سیّد جمال الدین آسان کر کر حضرت سید محمد حسینی شاہ میر بادشاہ صاحب قدس سرہٗ کی فیض اور ارشاد کی برکت سے اور حق تعالیٰ کی عنایت اور ہدایت کی اعانت سے لکھتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق
لَآ اِلٰہَ یعنی نہیں کوئی بندگی لینے کے اور خدائی کے لائق اِلَّا اللہ مگر اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ محمدؐ پیغمبر اللہ کے ہیں۔ اس کا مقصود نفی اثبات۔ نفی کا معنی نہیں۔ اثبات کا معنی ہے۔ نفی جھوٹے خدایوں کا۔ اثبات سچے اللہ کا۔ جھوٹے خدایاں وہ جو کافراں اور مشرکاں اور زیل ہوا مقرر کیے ہیں۔ جیسا کہ آفتاب، ماہتاب اور ستارگان اور بُتاں اور سوائے اس کے۔ اللہ وہ کہ جس کا بیان یعنی جس کی ذات اور صفات کا بیان اور اس کی یگانگی کا بیان۔ محمد رسول اللہ کئے موافق اس کے حکم کے۔ 47"

حضرت شاہ نور شاعر بھی تھے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہے تھے۔ مگر آپ کے کلامِ اردو کا نمونہ کسی تذکرہ نگار نے پیش کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی، راقم کو بعد تلاشِ بسیار چار غزلیں دستیاب ہوئیں۔ ان میں سے تین غزلیں آپ کی فارسی ضخیم تصنیف "تجلّیٔ انوار" معروف بہ "تجلّیات نورانی" میں مضمون کی توضیح و تشریح کے ضمن میں نقل کی گئیں۔ جیسا کہ آپ نے ایک مقام پہ ارشاد فرمایا ہے۔ "غزلیکہ طبع زاد ایں حقیر است و دراں ایمائی از جسم

جسمانی نا ذات و ذاتی است۔ اینجا مثبت می گردد این است" اسی فارسی عبارت کے بعد درجِ ذیل غزل پیش کی گئی ہے ۔ غزل

ذات رب کی جسم و جسمانی نہی ۔ نفس بی نیں اور نفسانی نہیں
(بھی نہیں)

قلب فے قلبی بھی نہ پہچانے اُوسے ۔ بلکہ نیں ہی روح و روحانی نہی
(اُسے) (نہیں ہے روح)

ذات و ذاتی ذات اور اسکے صفات ۔ یوں جونا سمجھے سو عرفانی نہی
(اس طرح)

معرفت رب کی ہر اک پر فرض ہے ۔ ہور عبادت اُونکی جس ثانی نہی
(شرکت نہیں)

ذات مطلق ہے ہمہ باطن ہے لیک ۔ با ہمہ ظاہر ہے پنہانی نہی
(لیکن)

منشاءِ ہر دو ہے وحدت جمع تو ں ۔ او حقیقت احمدی فانی نہی

بعد اس کے ہے الہیت سو کیا ۔ غیر نفس الامر انسانی نہی

بعدہٗ ہے جان ارواح و مثال ۔ جاں اگن پانی یوں پانی نہی
(آگ)

ہے کمال انسانِ کامل پر ظہور ۔ مظہرِ کامل ہے نقصانی نہی

کیوں کہ سمجھے بو حقائق کے نکات ۔ جس میں خوبینی خدادانی نہی

گوشِ دل سے گوش کر اقوالِ نور ۔ گیان کے جوہر ہیں بو کانی نہی

(تجلّیٔ انوار: ص ۲۶)

تجلّیٔ انوار کے صفحے نمبر ۱۰ پر ایک غزل مرقوم ہے جس کے چند شعر حسبِ ذیل ہیں:

ظاہر مظہر مظہر نورٗ ۔ احمد اللہ علم ظہور لہ

مظہر منظر نورِ خدا ‏ — ‏ احمد عالم ایک جدا

سالک شاہد واحد دیک ‏ — ‏ یک ھور دوسرا تیسرا ایک

(دیکھ) ‏ — ‏ (اور)

اک سوں دو اور دو سوں تین ‏ — ‏ تیسرا آپس آپ متین

(سے) (سے)

اللہ احمد نور اللہ ‏ — ‏ اس میں نے کچھ شک واللہ

(نہیں)

حضرت نورؔ کی ایک اور غزل ملاحظہ ہو: ؎

خامۂ عنبر فشاں سوں ثنا سبحان کا ‏ — ‏ جس کوں لائق ہے اوٹھانا خلق پر احسان کا

(سے) (کی) ‏ — ‏ (کو) (چلانا)

متّصف ہے ذات اوس کی با صفتہا کمال ‏ — ‏ دور ہے ذات سوں نام و نشاں نقصان کا

(اس کی) ‏ — ‏ (سے)

حیّ و قادر اور مرید و عالم و بینا ہے او ‏ — ‏ قوتِ سمعی کو اوس حاجت نہ ہرگز جان کا

(وہ) ‏ — ‏ (اسکی)

بلے زباں بے حرف بے آواز نت ہے وہ کلیم ‏ — ‏ از کلام نفسئی خود جو نکہ خطرہ جان کا

(ہمیشہ) (وہ) ‏ — ‏ (؟)

اس صفاتِ سبعۂ ذاتی کو کہتے امّہات ‏ — ‏ کشف قلبی ہے جیسے حاجت نہ اوس برہان کا

(اس)

ذاتِ واحد کی صفت واحد محمد جس ہے نام ‏ — ‏ عین ہے طرفین کا قاب ہے قوسین کا

ذات مطلق متصف ہو کر تمام اوصاف سیں ‏ — ‏ نام مومن پائیاں ممکن ہوا ایمان کا

(سے) ‏ — ‏ (پایا ہے)

یہ سخن کشفی شہودی ھے بری تقلید سوں ‏ — ‏ دست رس اس میں نہیں ہر جان اور انجان کا

(سے) ‏ — ‏ (نہیں)

حضرتِ سیدِ محمد مرشدِ روشن‌ضمیر (یعنی شاہ میر) تاج سر سلطان کا اور قطبِ حق دوران کا

علتِ غائی خلقت شاہ میرِ دو جہاں   داد گم ہر ہر سخن کی کُند کے دیوان کا

اقتباسِ نور کیتا نورؔ اُس خورشید سوں   ہور اجازت تس کرم سوں دوسرے دوران کا

(کرتا ہے)   (سے)   (اور)   (اس)   (سے)   ص ۴۹

(ارشاد نوریہ)

حضرت نورؔ کی چوتھی غزل "ارشادِ نوریہ" کے سرورق سے پہلے کے صفحے پہ لکھی ہوئی ہے۔ آپ کے مذکورہ اشعار سے یہ نکتہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شاعری مؤمنانہ جذبۂ صادق کے تحت تخلیق پائی ہے نہ کہ محض شاعرانہ امنگ کے تحت حضرت نورؔ ہوں یا اور کوئی اُسی قبیل کی صوفی کامل بزرگ شخصیت ان کی تخلیقات کا موضوع کچھ بھی ہو مگر ان کے مقصدِ تخلیق اشاعتِ حق اور ترسیلِ علم ہوتا ہے۔ اسی لیے بسا اوقات اُن کے کلام میں شاعرانہ رجحانات وفنّی نکات کی جستجو مایوس کن ہوتی ہے۔ لہذا ان تخلیقات کو ادبی تاریخ کے تسلسل کا ایک حلقۂ زرّیں سمجھ کر مطمئن ہوجانا ہی دیانت داری کا تقاضا ہے۔

بہرحال حضرت شاہ نورؔ تاریخ ادبِ اردو میں ایک اہم نثرنگار کی حیثیت سے ضرور اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ کے بعد بھی آپ کی اولاد و اصفاد میں بہت سے شعراء و ادبا گزرے ہیں جن کا تذکرہ آیندہ صفحات میں انشاءاللہ آئے گا، اب یہاں آپ کے خاندان کے بعض ممتاز افراد کا شجرہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو آج بھی شہر کڈپہ میں متمکن ہیں:-

حضرت سید نوراللہ بادشاہ بخاری نورؔ کڈپوی

حضرت سید شاہ محمد بخاری

حضرت سید جمال الدین بخاری

حضرت سید نذراللہ بادشاہ بخاری (مرحوم)

حضرت سید شاہ محمد جمال اللہ بادشاہ بخاری (مرحوم)
(گورنمنٹ سرقاضی کڈپہ)

حضرت سید شاہ محمد جمال اللہ بادشاہ بخاری مرحوم
(گورنمنٹ سر قاضی - کڈپہ)

سید شاہ کمال اللہ بادشاہ بخاری (گورنمنٹ سر قاضی کڈپہ)	سید نذر اللہ بادشاہ بخاری ایم اے؛ ایم ۔ ایڈ؛	سید معین الدین بخاری معین افضل ایم اے؛ ایم فل؛	سید کریم اللہ بادشاہ بخاری عرف حضرت پیر

حضرت شاہ کمال (رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری قادریؒ

حضرت سید شاہ جمال الدین بخاری قادری جمالی رائچوٹی (متوفی ۱۱۶۲ھ) کے تیسرے فرزند اور حضرت شہمیر (اوّل) کے برادرِ صغیر تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت برادرِ معظم حضرت شاہ میر کی زیرِ سرپرستی اور نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ تزکیۂ نفس اور فیضانِ باطن کے جملہ مراحل بھی انہیں کے ظلِّ عاطفت ہی میں طے ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ آپ ایک عارف کامل، عظیم مصنف اور باکمال شاعر ہونے کے باوجود ہر نئے مقام پر اپنے پیر و مرشد حضرت شہ میر کا ذکرِ خیر کرنے کو اپنا اوّلین فرض جانتے تھے۔ بالخصوص اپنی غزلوں کے مقطعوں میں مرشد کا نام ضرور لیتے تھے۔ یہ بات خود آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔

مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

- کمال حضرت شہمیر کی غلامی سے ۔۔۔ سزائی خواجگی و بندہ پروری ہو نمیں
- شہمیر اگر نہ ہوئی کمالی کو دستگیر ۔۔۔ گرداب بحرِ شرک سے اوپار کیونکہ ہو
- رہِ نقصِ معرفت میں پاوے کمال کی کیوں ۔۔۔ شہمیر سا ہے مرشد عالی جناب یارب
- پیر شہمیر کے حیران ہے کمال ۔۔۔ سر سے پلپل یقین کے جا بلبل

آپ کے دیگر اساتذہ میں بقول حضرت سید شاہ قادر علی باشاہ صاحب قادری زید مجدہٗ (سجادہ نشین آستانۂ شہمیریہ) حضرت علامہ عبد الغفور لاری بھی ہیں۔ شاہ کمال علوم شرعیہ و معارف صوفیہ کے جامع الصفات تھے۔ آپ کی قوتِ مکاشفہ بہت قوی تھی۔ چناں چہ اس تعلق سے مؤلف "اثر اعتقاد" حامی حیدرآبادی نے ایک

اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت سید عبدالقادر عرف جیلانی بادشاہ بخاری فرزند حضرت شہیر اوّل اپنے سفرِ حج سے پیشتر ہر روز بعدِ عشا اپنے مریدوں اور معتقدوں کو خوابِ غفلت میں چھوڑ کر چپکے سے گھر سے نکل جاتے اور رانیچوٹی سے کڈپہ کی بتیس[۲۲] میل کی طویل مسافت چشم زدن میں طے کر لیتے۔ حصولِ نعمتِ باطنی کی خاطر اپنے چچا حضرت شاہ کمال کی خدمت میں حاضر رہ کر نمازِ صبح سے پیشتر اپنے مستقر پر لوٹ آتے۔ ایک مرتبہ آپ کا ایک مرید آپ کو گھر سے نکل کر غائب ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ حسبِ معمول جب آپ حضرت کمال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ کمال نے اپنے برادر زادے سے فرمایا کہ۔ آج ہم دونوں کے درمیان موجود راز فاش ہو گیا ہے لہذا آئندہ میرے پاس اس طرح آیا نہ کرو[۵۰]

شاہ کمال کے عقیدت مندوں میں سلطان ٹیپو شہید (۱۲۱۳ھ) بھی تھے سلطان نے آپ کو از روئے عقیدت سری رنگ پٹن مدعو فرمایا تھا۔ اور آپ کے ورودِ مسعود کے بعد ایک عرصہ تک آپ کی نورانی مجلسوں سے استفادہ بھی کیا تھا۔ آپ سے حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب انگریزوں نے سلطان کی خدمت میں ایک مراسلہ روانہ کیا کہ جس میں جنگ اور صلح میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو سلطان نے فوراً اپنا ایک ایلچی شاہ کمال کی خدمت روانہ کیا اور آپ سے مشورہ طلب کیا اس وقت آپ اتفاقاً ذکر میں مشغول تھے آپ نے معاملہ کی نزاکت کے مدنظر ایلچی سے فرمایا کہ "در صلح خیر" (صلح میں بھلائی ہے۔) مگر چوں کہ سلطان کا نمائندہ غدار تھا، اس نے کاغذ پہ "در سلح خیر" یعنی اسلحہ اٹھانے اور جنگ کرنے میں بہتری ہے۔ لکھ کر سلطان کے حوالے کر دیا سلطان نے چٹھی دیکھ کر سمجھا کہ شاہ کمال جنگ کا مشورہ دے رہے ہیں۔ بعد ازاں گھمسان کا رن پڑا جس میں سلطان نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس طرح تقدیر غالب آگئی[۵۱]

شاہ کمال کو حضرت شہیر کے دوست شیخِ وقت حضرت خواجہ رحمت اللہ الملقب بہ نائبِ رسول اللہ (متوفی ۱۱۹۷ھ) سے عقیدت و محبت تھی[۵۲] اپنے مرشد کی وفات (۱۱۸۶ھ) کے بعد نائب صاحب سے یگانگت اور تعلقِ خاطر

اور اضافہ ہوگیا تھا۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب نے خواجہ صاحب کے ہمراہ مدراس
ویلور اور حیدرآباد وغیرہ شہروں کے سفر کئے۔ پند و نصیحت فرمانا اور بدعات و خرافات
کا قلع قمع کرنا اِن اسفار کا مقصد تھا۔ چنانچہ دونوں بزرگوں نے شہر مدراس میں
شیعوں کے مقابلہ میں ایک ساتھ مناظرے کئے۔ شیعوں کی طرف مشہور فاضل میر
غلام حسین جودت حصہ لیا کرتے تھے۔[۵۳] حضرت ملا عبد العلی بحر العلوم مدراسی
متوفی ۱۲۲۵ھ اور حضرت علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) وغیرہ اصحاب
کمال کے ساتھ شاہ کمال کے علمی روابط تھے[۵۴]۔ یہ حضرات شاہ صاحب کی علمیت و
شخصیت سے متاثر تھے اور آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ کی ذاتِ والا صفات
اسم بامسمّٰی تھی۔

شاہ کمال کو عربی، فارسی اور اردو زبان پر یکساں دسترس حاصل تھی
آپ کثیر التصانیف تھے۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی آپ نے کتابیں لکھیں۔ یہ ذوق
آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ ایک فطری اور وہبی شاعر تھے۔ بلا مبالغہ ہزاروں اشعار
آپ کے نوکِ قلم سے تخلیق پائے ہیں۔ آپ نے اردو میں شاعری فرما کر اردو پر احسان کیا
ہے۔ آپ کے اشعار کا موضوع تصوّف و احسان ہونے کے باوجود آپ نے اس پامال مضمون
کو اپنے قلمِ معجز رقم سے زندۂ جاوید بنا دیا، اس کی نظیر اُس دور کے دیگر شعراء میں ملنا
بہت مشکل ہے۔ حضرت سلطان ٹیپو شہید نے آپ کو بجا طور پر "جامئ دکن" کے
خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ بقول محمد سخاوت مرزا آپ کو اپنے تمام ہم عصروں میں اپنے
طرز اور رنگ کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے[۵۵]۔

شاہ کمال نے قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، مخمس، مستزاد وغیرہ
اصناف سخن میں نہ صرف طبع آزمائی کی بلکہ اُن کے دامن کو حقائق و معارف سے مالا مال کردیا
آپ نے اپنی شاعری میں ہندی، فارسی، عربی الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے الفاظ بھی
برمحل استعمال کئے۔ بالخصوص فارسی و عربی الفاظ شعر کے سانچے میں اس طرح چمک اٹھے
ہیں جیسے کہ زیور میں نگینے یا فلک پر ستارے ضیاء بار ہوتے ہیں۔ شاعری صرف واردات

قلبی ہی کا نام نہیں بلکہ اس کے ہمہ جہتی مقاصد میں افادہ و استفادہ اور افہام و تفہیم بھی شامل ہے۔ علمی موضوعات کے لیے شاعری کو وسیلۂ اظہار بنانا ہو تو شاعر کے عالم و فاضل ہونے کے علاوہ اس کے لیے ژرف نگاہی، نکتہ رسی اور فنّی چابکدستی کی بھی ضرورت پڑتی ہے ورنہ شعر موزوں ہونے کے باوصف بے وزن و بے وقار بن جاتا ہے اور بوجھل اور بلند آہنگ الفاظ سے شعریت مجروح ہو جاتی ہے۔ ایسے اشعار بارِ سماعت ہی نہیں بسا اوقات اپنے ہی وزن میں دب کر فنا ہو جاتے ہیں اور تاریخ میں ان کا نام و نشان دور دور تک باقی نہیں رہتا۔

شاہ کمال کے ہاں جو علمی شاعری ہے اس میں مذکورہ تمام محاسن بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں، آپ کو فن پر قدرت حاصل ہے۔ مشکل سے مشکل مطالب کو سہل الممتنع کے طور پر بڑے ہی ہنرمندی کے ساتھ آپ نے اشعار کا جامہ پہنایا ہے۔ جس کی وجہ سے غریب و نادر الفاظ بھی خوبیٔ بیان کے سبب حسین و جمیل بن گئے ہیں۔ قاری یا سامع کو اس طرح محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس لفظ کے سوا کوئی بھی دوسرا لفظ ہوتا تو شعر کے حُسن کو داغ دار کر دیتا بہر حال شاہ کمال کی شاعری یقیناً عطیہ خداوندی ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کے جدید رجحانات اور نئے فنّی میلانات کے مدّنظر آپ کے کلام کا از سر نو جائزہ لیا جائے تاکہ ادب میں آپ کا صحیح مقام متعین ہو سکے۔ شاہ صاحب کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

- سخا کے معدن، عطا کے مخزن، وفا کے خرمن، صفا کے درپن

  رضا کے مأمن، حیا کے گلشن، سرا کے مالی، نبیٔ امّی

- گوش تیرے ہیں گہر ہائے "فَاَوْحیٰ" کے صدف

  باغِ "مَا زَاغَ" کے نرگس ہیں دونوں نین تیرے

- یہ صافیٔ رو، یہ ہر دو ابرو، یہ قدِّ دلجو یہ چشمِ جادو

  مثالِ درپن، ہلالِ روشن، نہالِ گلشن، غزالِ صحرا

- ملحد کی خستگی نہ ہوئی دفع گرچہ ہم　　　مرہم دیے، علاج کیے، زخم کو سیئے

- حقیقت محقّق نہیں ہے تشرّع　　　بجز اصل ممکن ہے ہرگز تفرّع؟

- یاراں کہو رسولؐ پہ صلوٰۃ الف الف — اصلِ ہمہ اصول پہ صلوٰۃ الف الف
کثرت کے شاخسار کے نورس ثمر اوپر — وحدت چمن کے پھول پہ صلوٰۃ الف الف
عالم کے منتہائے عروج اور اللہ کے — اس مبداءِ نزول پہ صلوٰۃ الف الف
- معرفت ہے عبادتِ مطلق — دین و ایمان و طاعتِ مطلق
رحمتِ خاص، حق تعالیٰ کی — مصطفیٰ کی شفاعتِ مطلق
- اشیا کی ماہیات ہیں اعیانِ ثابتہ — حق کے نہ عین ذات ہیں اعیانِ ثابتہ
موجود ہیں وجودِ مفاضِ اللہ سے — معدوم فی الذوات ہیں اعیانِ ثابتہ
- کیا مجھ کو انسان الحمدللہ — نہ حیوان و شیطان الحمدللہ
محمدؐ کی امت میں پیدا کیا سو — زہے فضل و احسان الحمدللہ
دیا مذہب اہلِ سنت جماعت — نہیں جس میں طغیان الحمدللہ
- قولِ ایمان ہے بہ رنگِ مثنوی — مصرعِ عینِ عبد و رب کو مثنوی
کسب کر انی آنا اللہ کا مقام — چھوڑ مت ہرگز نبیؐ کی پیروی
- سوز میرا پتنگ سے پوچھو! — حالِ دل اُسکا سنگ سے پوچھو
ماجرا میرے اشکِ جاری کا — سیلِ دریائے گنگ سے پوچھو
- مومن و کافر کے حق میں یار کی زلفِ دراز — سبحہ یا حبل المتین، زنار یا زنجیر ہے
- دل باندھ اپنی زلف سے کہتے ہو مجھ کو جا — مخلص کہاں اسیر ہو، ایسے حصار سے
- بلبلو، اوسطِ گل بازی عشاقی میں — ہار بے دل کی ہے اور جیت دلآرام کی ہے
- نرم و نازک دیکھنے میں سخت و محکم اصل میں
کسوتِ ابریشمیں ہے تجھ محبت کا لباس

شاہ کمال نے ابتدا میں اپنے ہم عصروں کی زمینوں میں غزلیں کہیں، تضمینیں لکھیں مگر بعد میں بہت جلد اپنی الگ راہ نکالی اور ملکِ شعر و سخن میں اپنی انفرادیت کا سکہ جمایا۔ اور شعر و ادب میں اجتہاد کا نیا باب کھولا، بقول مشہور محقق و مؤرخ مولوی محمد خان میسوری: "سید کمال الدین شاہ صاحب متخلص بہ کمالؔ المتوفی ۱۸۰۹ھ

بیک وقت سودا، انشاء، غالب و ذوق تھے، اور میرا اجتہاد ہے کہ غالب اور ذوق نے ان کے کلام سے استفادہ کیا ہے"[۵۶] مرزا غالب اور استاد ذوق نے براہِ راست شاہ صاحب کے کلام سے استفادہ کیا ہو نہ کیا ہو مگر اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ آپ کا کلام کل کی طرح آج بھی قابلِ استفادہ اور لائق رشک ہے۔ شاہ کمال نے اپنے عہد میں نہ صرف جدید شاعری کی بلکہ اپنے دور سے بہت آگے کی شاعری کی۔ اس بات کا احساس خود شاہ صاحب کو تھا۔ چناں چہ آپ نے ارشاد فرمایا : ؎

شعرِ قدیم ساتھ مشابہ ہے یہ سخن　　　تیرا کلام اگرچہ کمالی جدید ہے

راقم الحروف کی رائے میں جدّت یا جدیدیت ایک امر اضافی ہے جو مقام و میعاد کے تعیّن سے بالاتر ہے۔

الغرض شاہ صاحب کی تقلید شعری کی مثال ملاحظہ ہو : ؎

ولی دکنی :۔

ترا مکھ حُسن کا دریا وُ و موجاں چین پیشانی!

اُوپر ابرو کی کشتی کے یہ تل جیوں ناخدا دِستا

شاہ کمال :۔

خدا کی ذات کے مرآت میں روئے خدا دِستا　　　جہاں کے جام میں عکسِ جمالِ مصطفیٰ دِستا

ولی دکنی :۔

تجھ عشق میں ولی کے انجھواں اُمڈ چلے ہیں　　　اے بحرِ حُسن، آ دیکھ، اس پور کا تماشا

شاہ کمال :۔

گر قصد سیر تجھ کو آبِ رواں کا ہووے　　　مجھ جوئے چشم کے دیکھ آ نہر کا تماشا

مرزا رفیع سودا :۔

مہر ہر ذرّہ میں مجھ کو ہی نظر آتا ہے　　　تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظراں ہے کہ نہیں

شاہ کمال :۔

زاہدا چشم تری کُہ نگراں ہے کہ نہیں　　　دیکھ ہر ذرّہ سے خورشید عیاں ہے کہ نہیں

خواجہ میر درد :۔ (رُباعی)

توحید نہیں چھپا چھپا کہتا ہوں | جو کہتا ہوں برملا کہتا ہوں
ملا کو بھی اس سے نہیں ہے انکار | بندہ بندہ، خدا خدا کہتا ہوں

شاہ کمال :۔ (رباعی)

سایل کو جواب کیا بجا کہتا ہوں | ہیں آپ کو بندہ نہ خدا کہتا ہوں
ہیں ہست ہوں است فی الحقیقت لیکن | ہست مطلق کو رونما کہتا ہوں ۵۷

شاہ کمال کا طبائع ذہن تھا۔ آپ اختراعی مزاج کے حامل تھے اسی لیے یہ تقلید زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی، چناں چہ آپ نے اپنی شاعری میں نئی طرز ادا کے ہمدوش نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات بھی وضع کیں، یہی اصطلاحات آج بھی علم تصوف کی بھول بھلیوں میں راہنما ثابت ہو رہی ہیں۔ مثال کے طور پر چند الفاظ پیش کئے جا رہے ہیں۔ ہے پن، نیں پن، یک پن، مشمومات، عینیت، بے عینیت، غیر یت، بے غیریت، محویت، بلا محویت، نیست نمائی، ہست نمائی، عبدیات، تزئین تخشن و تمثن وغیرہ۔ ۵۸

کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں آپ کا ایک قصیدہ ہے، جس کی شرح آپ نے خود اپنے ہی رباعیات سے کی ہے۔ یہ خاصے کی چیز ہے۔ یہاں نمونتاً قصیدہ کا پہلا شعر اور اس کی تشریحی رباعیات میں سے چند پیش کئے جا رہے ہیں :۔

قصیدہ کمالیہ مع رباعیاتِ کمالیہ در شرح آں اشعار واقع شدہ اند:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ کا پہلا شعر :۔

مسئلہ وحدۃ الوجود اوّل | پیرِ کامل سے کر نمامی حل

تشریحی رُباعیات :۔

دریا سے برآئی ہے کیا موجِ عجاج | پیدا ہے رخِ آب پہ کیا طرفہ حباب
کہتے ہیں عوام، پر سمجھتے ہیں خواص | بر شکلِ حباب و موج ظاہر ہے آب

بر صورتِ دحیۂ عرب لے عارز جبریل کو ہونا متمثّل جائز
ہر صورت خلق سے نمائش کرنے کیوں قادر پر کمال ہووے عاجز

◆

گر فرض کریں وجودِ حق کو مرآت تب ہووے بجائے شخص عالم کے ذات
سب خارجی احکام اور آثار اونکے در رنگِ عکوس وصور مرئیّات

◆

ہستی پہ شقی، سعید، مُقبل، مُدبر بَد نیک، پلید، پاک، مسلم، کافر
اطلاق نہ کر بلکہ ذواتِ اکوان ہیں مقتضیٰ اوسکی باطناً ہم ظاہر

◆

ہر گہ کہ نمائش ہو صفتِ باری کی نسبت سوئے خلق ہے نموداری کی
ہو خلق نمایاں تو نموداریٔ حق کر صنعت صانع کی، نظر باری کی

اس قصیدے کے جملہ اشعار ۳۴ ہیں، جملہ رُباعیات ۱۱۸ ہیں۔ پہلے شعر کی تشریح میں ۳۷ رباعیات کہی گئی ہیں۔ انہیں رباعیات کے ابتدا میں ایک رسالہ بطور تمہید "کلمۂ توحید" کے نام سے مرقوم ہے۔ جس کے جملہ صفحات ۲۸ ہیں۔ ہر صفحہ پر ۱۳ سطر ہیں، تاریخ کتابت ۲۷ ذی قعدہ روز جمعہ سنہ ۱۲۶۰ھ ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں ہے۔ اس مخطوطہ کا نمبر جدید (۱۸۹۹) ہے۔ اس رسالہ کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعریف اور توصیف سزاوار ہی اس خداکوں جو پرستش کیا گیا ہے۔ جو ظاہر
(ہے) (کو) (کیا گیا)

ہیں عبادت کیا جاتا ہے۔ اسکو سو وہی ظاہر ہے مظاہر ہیں یعنی اگرچہ لوکاں بحسب ظاہر
(اگرچہ) (لوگاں)

اعتقادسی کواکب اور اصنام کو خدا ہی سمجھکر سجدہ اور عبادت کرتے ہیں، لاکن ازروی
(لیکن) (ہے) (سمجھ کر) (سے)

حقیقت کے وہی معبود مسجود انھونکا ہی جو ظاہر ہے اس مظاہر ہیں :

(ان ہی کا ہے) (اُن)

غیریت اسکا غیر کو چھوڑا نہی لاجرم او عینِ اشیا ہو رہا

(اسکی) چھوڑا (یقیناً) (وہ)

اختتام:

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ اور تمام کیے ہم اوپر تمہارے نعمت کو اپنی

جو تفصیل توحید حقیقت کے ھی کہ بیچ اس کی بالکل شرک خفی نہیں ہے وَرَضِیْتُ لَکُمُ

الْاِسْلَامَ دِیْنًا اور اختیار کیا ہیں واسطے تمہاری، اسلام کو کہ دین یک پاکیزہ

(تمہارے)

تمام دینو نسی یعنی معرفت توحید کے بانقیاد شریعت کہ ملا رہی شرحاً و مُتَبَیِّنًا

(دینوں سے) (رہے)

والسلام ۔خیر الاتمام ۔ تمت تمام شد بست وہفتم ذوالقعدۃ روز جمعہ سنہ ۱۲۶ ھجری؛

شاہ کمال کی اردو نثر کا کوئی نمونہ تاحال منظرِ عام پہ نہیں آیا ہے اور نہ کسی تذکرہ نگار نے اس کا ذکر کیا ہے، رباعیات کمالیہ کی اس تمہید سے یہ گمان گزرتا ہے کہ یہ نثری رسالہ شاہ کمال کا ہو۔ اس لیے کہ اس میں جو باتیں کہی گئیں وہی آپ کی رباعیات میں بھی پائی جاتی ہیں ۔ اور تصوّف کے یہ مسائل کلامِ کمال کا خاصہ بھی ہیں ۔ بہرحال قرینِ قیاس ہے کہ یہ نثر شاہ کمال کی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "تاریخ ادب اردو" میں تذکرۂ مجمع الانتخاب مرتبہ ۱۲۱۷ھ کے مؤلف شاہ کمال ولدِ قادر نواز خان کا نام برِبنائے مغالطہ سید شاہ کمال بخاری تحریر کیا ہے۔[۵۹] حالاں کہ اس نام کے ساداتِ بخارا سے تعلق رکھنے والے صوفی شاعر کڈپہ کے حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری معروف بہ شاہ کمال ہی ہیں جن کا وصال سنہ ۱۲۲۴ھ میں ہوا، مدفن گُرم کُنڈہ (نزدِ مدن پلّی، آندھرا) میں ہے۔ اور آپ اپنے جدّ امجد حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری (اوّل) کے پائین آسودۂ خاک ہیں

آخر میں یہاں شاہ کمال کی اردو تصنیفات کا اجمالی تذکرہ کیا جارہا ہے تاکہ آپ کے تعلق مزید تحقیقات کی راہ ہموار ہو۔

۱۔ معراج نامہ : (منظوم) بفرمائش خواجہ رحمت اللہ نائب رسولؐ اللہ رحمت آباد (نزدِ نلّور۔ آندھرا) مطبوعہ مطبع احمد قلندر بنگلور ۱۳۰۸ھ باہتمام حضرت سید شاہ علی مراد قادری افضل بخاری قدس سرہٗ نبیرہ حضرت شاہ کمالؒ

۲۔ دیوانِ مخزن العرفان : جملہ صفحات 476 سائز رائل مطبوعہ حشمت الاسلام۔ بنگلور۔ سالِ طباعت ۱۳۳۱ھ باہتمام حضرت سید شاہ فقیر محی الدین مقبل میسوری نبیرۂ دوم حضرت شاہ کمال۔ اس دیوان و کلیات میں چار سو تیئیس ۴۲۳ غزلیں گیارہ مخمس، چار مرثیئے ایک سو چودہ رباعیات، مختلف قصائد، مناجات، مناقب اور چکّی نامہ شامل ہیں۔ راقم کے پاس اس کا ایک مخطوطہ موجود ہے جو ۱۳۰۵ھ میں نقل کیا گیا تھا۔

3 حسن السوال وحسن الجواب : (منظوم) شیخ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ کی بے مثال تصنیف کی منظوم شرح۔ ابیات تقریباً آٹھ ہزار (۸۰۰۰)

4 ضیافت نامہ :۔ (منظوم) مطبوعہ مطبع فردوس باہتمام مطبع فردوسی، بنگلور۔ سالِ طباعت ندارد۔ شاہ کمال کی مذکورہ بالا تمام تصانیف کے مخطوطے۔ کتب خانۂ آستانۂ شہمیری کڈپہ میں محفوظ ہیں۔

5 بیاض نظم :۔ بقول ڈاکٹر حبیب النساء بیگم "حضرت دودھ پیراں صاحب کے مکان واقع عیدگاہ محلہ میسور میں شاہ صاحب کے دست مبارک سے لکھی ہوئی بیاض موجود ہے۔ جس میں آپ کی منتخب نظمیں ساٹھ صفحوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کی تقطیع (″۹½ × ″۷) ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی نظموں کی ترتیب دیوان کی طرح حروفِ تہجی کے اعتبار سے کی ہے۔ بیاض کے اوّل و آخر میں ان کی مہر ثبت ہے۔"

(ریاستِ میسور میں اردو کی نشو و نما۔ از ڈاکٹر حبیب النساء بیگم صاحبہ ص ۸۶ مطبوعہ ۱۹۶۲ء بنگلور)

حضرت شاہ کمالؒ کی آل اور افرادِ خاندان تا حال شہر جمل مڈگو میں اور

شہر کڈپہ وغیرہ علاقوں میں سکونت پذیر ہیں۔

حضرت لامع کڈپوی

حضرت سید علی شاہ بخاری قادری لامع کڈپوی حضرت شاہ کمال ثانی) جامی

دکن کے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کڈپہ ہی میں اپنے والدِ بزرگوار کے زیرِ ظلّ سرپرستی ہوئی ہوگی۔ آپ کو حصولِ علم کا بے حد شوق تھا۔ دن رات ایک تڑپ دل میں رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مزید تحصیلِ علم کے لئے ویلور تشریف لے گئے، جہاں حضرات اقطابِ ویلور کی مشہور خانقاہ "حضرت مکان" کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن محوی قادری قدس سرّہٗ (۱۲۴۳ھ۔ ۱۱۸۶ھ) کی نگرانی و اہتمام میں اعلیٰ تعلیم اور صالح تربیت کے لیے دارالعلوم لطیفیہ جاری تھا۔ حضرت لامع علم کی سیرابی اور ذوق کی آسودگی کے لیے اس عظیم درس گاہ میں داخل ہوگئے[۹۵] یہ وہی وقت تھا جب کہ حضرت محوی علیہ الرحمہ کے لختِ جگر و نورِ نظر حضرت مولانا سید شاہ محی الدین عبد اللطیف المعروف بہ قطبِ ویلورؒ (۱۲۸۹۔ ۱۲۰۷ھ) اسی خانقاہی مدرسہ میں علم و عرفان سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ چوں کہ حضرت قطبِؒ ویلور اور حضرت لامع تقریباً ہم عمر تھے لہٰذا قرین قیاس ہے کہ دونوں شریکِ درس بھی رہے ہوں۔ بہر حال حضرت لامع بہت ہی ذکی، فہیم اور بلا کے ذہین تھے۔ آپ نے بہت مختصر عرصہ میں علوم و فنون میں مہارتِ تامہ حاصل کرلی تھی، آپ کی فراست و ذکاوت کا ایک واقعہ آپ کے برادر زادے حضرت سید شاہ علی مراد افضل ابن حضرت سید شاہ اکمل قادری نے اپنی تالیف حکایاتِ فارسی میں نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ مؤلف "شہیری اولیاء" نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"سید علی صاحب (لامع کڈپوی) ایک روز سبق لے رہے تھے، دورانِ سبق ایک مشکل بیان آیا۔ استاذ صاحب نے تأمل کیا اور فرمایا آج سبق ملتوی کرو، کل دے دوں گا۔ دوسرے دن بھی یہی نوبت آئی، شاگرد سید علی صاحب نے اپنی ذہانت سے اس بیان کو غور سے پڑھا اور جب مطلب سمجھ میں آگیا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کردیا۔ تیسرے

تیسرے دِن حسبِ معمول آپ سبق کے لیے تشریف لے گئے۔ استاذ صاحب ابھی تأمل ہی میں تھے اور کتاب لے کر مطالعہ کر رہے تھے کہ معًا اس حاشیہ پہ نظر پڑھی جس کو آپ نے لکھا تھا۔ استاذ صاحب نے پوچھا: یہ حاشیہ کس کا ہے؟ آپ نے سر جھکا لیا۔ استاذ صاحب نے پھر پوچھا سچ کہو یہ حاشیہ کس کا ہے؟ آپ نے ادب کے ساتھ جواب دیا بندے نے یہ جرأت کی ہے اور ذہنِ ناقص میں جو خیالات آئے لکھ دلے ہیں۔ یہ سُن کر استاذ صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا دی اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔"[٦٦]

الغرض حضرت لائق علم و ادب کے عاشق و شیدائی تھے۔ علم و عرفان سے انتہائی شغف تھا اور مطالعہ کے ذوق و شوق نے آپ کو اپنی صحت کی طرف سے یکسر لاابالی اور بے پروا کر دیا جس کے سبب دَورِ طالب علمی ہی میں 'دِقّ' جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ چوں علاج و معالجہ سے مستغنی، بندہ راضی بہ رضا تھے۔ نتیجۃً عنفوانِ شباب ہی میں جاں بحق ہو گئے۔ وفات کے وقت بھی کتاب آپ کے سینے پر تھی[٦٧] گویا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مطالعہ کرتے ہوئے ابھی آنکھ لگی ہے۔ روحِ میر سے معذرت کے ساتھ یہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا: ؎

سرہانے میر کے آہستہ بولو   ابھی ٹک پڑھتے پڑھتے سو گیا ہے

انتقال کے وقت عمر شریف اٹھارہ[١٨] سال تھی۔ سالِ وفات ١٢٢٧ھ اور مدفن اندرونِ احاطہ حضرت مکان ویلور ہے۔

الحاصل آپ اس کم عمری میں بھی بڑی لاجواب شاعری کی تھی۔ ذوقِ شاعری ورثہ میں ملا تھا۔ حالاں کہ زندگی کی اٹھارہ بہاریں بھی مکمل نہیں دیکھ پائے مگر آپ کے اشعار سے عرفان و آگہی کی شمعیں روشن نظر آتی ہیں۔ زیادہ مشق و مزاولت نہ ہونے کے باوجود طرزِ ادا میں بالغ نظری و پختگی دکھائی دیتی ہے۔ تا حال آپ کے دو[٢] مثنویوں اور ایک مخمّس کا پتہ چلا ہے۔ مؤلفِ "شہیر اولیاء" نے صرف ایک کتاب "ترجمہ چہل حدیث" کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال تصنیفات کی تفصیل اس طرح ہے:۔

مثنوی "حکایت دزد و شہریار" (قلمی) صفحات ١٣ - یہ مثنوی حضرت

لامع نے وفات سے ایک سال قبل کہی تھی : ؎

ابتداء :-

اے کہ تو پیدا کیا اکواں کے تیں　　علم سے لاعین میں اعیاں کے تیں
آپ ان کی شکل سے ظاہر ہوا　　نور خور کا ہے میں جوں باہر ہوا
اے کہ تو بالذات بیچون وچگون　　نیں ہے تجھ کو شکل وشبہ ونموں
تاکہ ہووے اپنے اسما کا کمال　　تو نے فرمایا ظہور اے ذوالجلال!
ورنہ نئیں جس چیز کو ہستی کی بو　　کس طرح موجود ہو خارج میں وہ
ہو سکے لامع سے کیوں تیری ثنا　　مہر[1] کی خفاش[2] کیوں دیکھے سنا[3]

(۱) سورج، (۲) چمگادڑ، (۳) روشنی، چمک

اختتام :-

اے دلِ لامع زبس غافل نہ ہو　　بندگی میں حق کی اب کاہل نہ ہو

یہ قلمی نسخہ مخزونہ کتب خانہ آستانۂ شہمیریہ ہے۔

۲۔ ترجمہ "چہل حدیث" (منظوم)، نمبر ۲۳۶۳ جدید، سائز (۶×۹) صفحہ ۲۸، سطور ۱۰ تا ۱۳، خط نستعلیق۔

آغاز :-

حمد لکھنے میں جب قلم کو لیا　　ایسی تقریر دل میں میں کیا
یو کہ ذاتِ خدا کی ہے تعریف　　حضرت مصطفیٰ کی ہے تعریف
نورِ اللہ کا ہے نورِ نبیؐ　　ہے ظہورِ خدا، ظہورِ نبیؐ

اختتام :

السلام اے محمدؐ محمود　　السلام اے جہان کے مسجود
السلام اے وکیل اللہ کے　　السلام اے خلیل اللہ کے

یہ مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ کی زینت ہے۔ اور کتب خانہ شہمیریہ میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

اس کے سبب تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آپ کی آخری مثنوی ہے۔
چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں : ؎

فکر یک شب کیا ہیں دل کے بیچ — بالیقیں ہے یہ دنیا ہیچ اور ہیچ
اس ہیں بہتر ہے کچھ ثواب کریں — نہ کر حیف زندگی خراب کریں
پس کہا ہیں چہل حدیث بیاں — ہندی سے گر کرے تو ہے احساں
جب کہ کھویا ہوں باہوا و ہوس — عمر دنیا منے اٹھارہ برس! یعنی

مؤلف "شہمیری اولیاء" نے آپ کی ایک مخمس نقل کی ہے جو کہ آپ کے حصولِ تعلیم کے لیے کڈپہ سے روانگی کے وقت کہی گئی تھی، جس کے کل گیارہ بند ہیں۔
چند بند ملاحظہ فرمائیں :۔ ؎

سیر گلشن کے تئیں اہل ہوا جاتے ہیں — کوہ و صحرا کی طرف آبلہ پا جاتے ہیں
کوچۂ یار ہیں اربابِ وفا جاتے ہیں — یعنی جس راہ ہیں مردانِ خدا جاتے ہیں

ہم بھی اے قافلہ سالار صبا جاتے ہیں

کوئی شائقِ مال اور کوئی مشتاقِ جمال — کوئی رکھتا ہے تمنائے عیال و اطفال
ہے کسے خواہشِ دولت' کوئی چاہے اقبال — ہم کو تقدیر کیا عشق کے پابندِ خیال

ایسی باتوں ستی ہم ہاتھ اٹھا جاتے ہیں

جو منازل نہ کیا طے مہ انور نہ ہوا — کون سا آبلہ پا ہے جو خوش اختر نہ ہوا
غیر فرسودہ قدم صاحب افسر نہ ہوا — گھر سے باہر جو نہ نکلا سو ہنرور نہ ہوا

در بدر لئے ہم مثلِ گدا جاتے ہیں

چھوڑ تنہا تجھے ہم جو لگے جانے لامع — اشک خونی لگے آنکھوں سے بہانے لامع
دردِ دوری کو یہ خاطر سے بھلانے لامع — اپنا احوال تجھے یاد دلانے لامع

ہم نے یہ تازہ مخمس تو بنا جاتے ہیں

حضرت لامع کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں :۔ ؎

رحمتِ عالمیں خطاب اُن کا — فیض بخشِ جہاں جناب اُن کا

سرورِ انبیاؐ شہِ دارین | واحد العصر، ہادئ کونین
فیض بخشِ جہان واہلِ کرم | قدوۃ السالکانِ نیک شیم
احمدِؐ بے میم ہے جس کی صفت | اور عرب بے عین جس ہے منقبت
جس سے محکم ہے جہاں کا راستہ | درمیانِ خلق و حق کا واسطہ
جس کی درگہ کے ہیں سائل انبیاء | مرسلین و اولیاء و اصفیا
نُور تیرا اولینِ کائنات | ذات سے تیرے ہے عالم کو ثبات
ہے تو سب وجہاں سے عینِ ذاتِ حق | خلق مربیٔ اور تو ہے مرآتِ حق
لامعؔ سرگشتۂ تیغِ فراق | جان و دل سے رکھتا ہے اشتیاق

بہرحال قتیلِ علم و عرفاں حضرت لامعؔ کڈپوی کا درخشاں کلام سرمۂ اہلِ بصیرت اور نغمۂ رازِ طریقت ہے۔

شاہ جمال (ثانی) کڈپوی

حضرت سید شاہ جمال الدین بادشاہ بخاری قادری المتخلص جمالؔ (ثانی) کڈپوی حضرت شاہ میر ثانی بیرنگ (۱۲۰۰ھ ۔ ۱۲۶۸ھ) کے فرزندِ دلبند ہیں۔ شاہ بیرنگ کے چھے صاحب زادوں میں پانچ صغیر سنی میں ہی داغِ مفارقت دے گئے تھے صرف شاہ جمال (ثانی) بفضلِ خدا مامون و محفوظ پلے بڑھے پھولے پھلے گبرو جوان ہوئے اکلوتے تھے۔ ماں باپ کی آنکھوں کے تارے تھے مگر افسوس زندگی کی تینتیس بہاریں بھی پوری طرح نہ دیکھیں کہ دستِ اجل نے اس گلِ سر سبد کو نوچ ڈالا۔ اس طرح آپ نے اپنے والدین کے حینِ حیات خدا کو پیارے ہوگئے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ۱۲۶۴ھ میں آپ اپنے والد حضرت بیرنگ کے ساتھ کڈپہ سے شاہنور تشریف لے گئے۔ رخصت ہوتے وقت اہلیہ سے فرمایا کہ ہم آخری سفر پر جا رہے ہیں۔ پھر لوٹ نہ آئیں گے (شاہنور بلکاؤں، کرناٹک) میں دورانِ قیام شدید پیچش میں مبتلا ہوگئے، علاج اور دوا دارو سے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر مسجد میں لیٹے ہوئے ذکر کر رہے تھے کہ روح قبض ہوگئی۔ اپنی ولادت ۱۲۳۱ھ کے ٹھیک تینتیس سال بعد ۱۲۶۴ھ میں انتقال فرما گئے۔ اور احاطۂ

درگاہِ سید احمد کبیر رفاعیؒ شاہ نور میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم حضرت بیرنگ کے خصوصی اہتمام میں ہوئی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے مدراس روانہ کئے گئے پھر بعد فراغت تعلیم والد ماجد ہی کے ہمراہ زندگی کے باقی دن سیر معرفت و سلوک میں گزار دیئے۔ آپ کو بھی شاعری و سخن سنجی کا شوق تھا۔ آپ کی زبان کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی صاف و شفاف معلوم ہوتی ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

کلمۂ کُن کی ابتدا ہو تُم — لفظ وَھُوَ کی انتہا ہو تُم

خاص پیغمبرِ خُدا ہو تُم — سرورِ جُملہ انبیا ہو تُم

ذکرِ غیریّت و دوئی کیا ہے — اپنے سایہ سے بھی جُدا ہو تُم

نورِ ہر شئے کا آپ ہی کا نُور — ذرّے ذرّے میں جابجا ہو تُم

وحدتِ مطلقہ ہیں کہہ دو جمالؔ — بے شک و بے گماں خدا ہو تُم

سیہ مستوں کو ان آنکھوں کے میخانے سے کیا نسبت
یم عشرت کے گردابوں کو پیمانے سے کیا نسبت

تمہارے حُسن کے شعلے کو شمعِ طور کیوں کہنا
کلیم روح کو میرے ہے پروانے سے کیا نسبت

جمال الدین اگر خوابِ عدم ہے زیست سے بہتر
ولیکن خواب کو اس کے ہے دیوانے سے کیا نسبت

بہرحال آپ کی تاحال دو غزلیں دستیاب ہوئی ہیں جن کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ (ملخص از شہ میری اولیاءؒ: صفحہ ۶۴)

حضرت بے رنگ کڈپوی

حضرت سید شاہ محمد حسینی عرف شاہ میر بادشاہ بخاری قادری (دوّم) المتخلص بہ بیرنگ قدس سرہٗ نبیرہ حضرت شہ میرؒ اوّل (متوفی ۱۱۸۶ھ) اور حضرت جیلانی بادشاہ شہیدؒ (۱۲۵۶ھ) کے فرزندِ کلاں تھے۔ آپ بڑے ہی ذاکر و شاغل اور خدا ترس

بزرگ تھے۔ ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہنے اور کوئی لمحہ لایعنی باتوں میں گزارنا آپ کو سخت ناپسند تھا۔ اسی لیے آپ اپنے ملاقاتیوں سے دریافت کرتے کہ کتنا وقت چاہیئے جب بتایا جاتا تو دورانِ ملاقات وقتِ مقررہ ختم ہوتے ہی خود سلام کہہ کر قبلہ رو ہو جاتے اور اوراد و اذکار میں مصروف ہو جاتے تھے[60]۔ آپ کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ سنِ شعور سے روزِ وفات تک کبھی نمازِ تہجد بھی آپ سے فوت نہیں ہوئی[61]۔ حضرت بیرنگ قائم اللیل و صائم النہار تھے، چناں چہ آپ کا وصال بھی رمضانِ شریف میں روزے کی حالت میں ہوا تھا[62]۔ حضرت حاجی حیدرآبادی نے اپنی فارسی تالیف "اثر اعتقاد" میں جو شاہ بیرنگ صاحب کی وفات کے نو سال بعد ۱۲۷۷ھ میں ترتیب دی گئی تھی لکھا ہے کہ حضرت بیرنگ کے انتقال کے چار ماہ بعد (غالباً محرم ۱۲۶۹ھ) کڈپہ کی نہرِ داؤد خانی (بُگّا وَنکا) میں طغیانی آئی۔ تمام گھروں میں سیلاب کی وجہ سے پانی داخل ہو گیا۔ یہاں تک کہ شاہ بیرنگ کے مزار کی مٹی بہہ گئی اور نعشِ مبارک قبر سے باہر آگئی۔ مگر خدا کی قدرت کہ مرقد کے اوپر ہی تیرتی رہی۔ جب سیلاب کا زور ٹوٹا تو نعش پھر تربت میں چلا گئی۔ اس محیر العقول واقعہ کو شہر کے بہت سارے افراد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا[63]۔ بقولِ حضرت سید شاہ قادر علی بادشاہ شہمیری مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ شہمیریہ کڈپہ، حضرت بیرنگ کے معتقدوں میں شہرِ کڈپہ کی مشہور و معروف شخصیت خان بہادر حکیم سید عبدالمجید عرف منجو میاں صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید حسین المعروف بہ سید صاحب (۱۳۲۷ھ - ۱۲۳۸ھ) نے نہ صرف نعش شریف کی زیارت کی بلکہ بائیں پیر کا انگوٹھے کو جو کفن سے باہر نکلا ہوا تھا بوسہ بھی دیا اور مزار شریف کو از سرِ نو پختہ تعمیر کروایا۔ بہر حال آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے اور آپ کے متوسلین میں انسانوں کے علاوہ جنّات بھی تھے۔

شاہ بیرنگ کڈپوی نے اپنے آبا و اجداد کی طرح فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ نے اردو شعر زیادہ نہیں کہے مگر آپ کا جو کچھ

بھی شعری سرمایہ دستیاب ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی منجھی ہوئی زبان پاک وصاف لب ولہجہ اور ندرتِ خیال کے اعتبار سے آپ کو اپنے عہد کے قابلِ قدر شعراء میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :- ؎

انساں کو سمجھتے ہیں کہ یک پتلا ہے خاکی
سمجھے ہی نہیں اُس میں خدائی ہے خُدا کی

میں کون ہوں کیا ہوں میں کہاں ہوں نہیں معلوم
میرے سے عیاں دیکھئے قدرت ہے خُدا کی

عشّاق کو اک دم میں ہی کر لیتا ہوں مائل
تاثیر مرے میں ہے، بھری کاہُربا کی

جب وصل ہوا عاشق و معشوق کا بیرنگ
ہر سمت سے آتی تھی صدا اَنْتَ اَنَا کی

- ہم کو خدا ہے غیر سے فریاد کیوں کریں / مظلوم ہیں تو شکوۂ بیداد کیوں کریں
قیدی بنا ہے بلبلِ دل دامِ زلف کا / جب دل نہیں تو شکوۂ بیداد کیوں کریں
ہم قتل ہی ہو جائیں گے ہم کو یقین ہے / کہہ دو بھلا کہ منتِ جلّاد کیوں کرے
دنیا کے ہم حصول میں بیرنگ تم کہو / عزّت کو کھوئیں دین کو برباد کیوں کرے

- سر میں سودائے محمدؐ ہے، میں دیوانہ ہوں
شمع احمدؐ ہیں، تو میں شمع کا پروانہ ہوں

کوئی پیارا نہیں مجھکو، ہیں محمدؐ پیارے
میں ازل ہی سے محمدؐ ہی کا دیوانہ ہوں

میں ہوں شیریں میں ہوں فرہاد، میں لیلیٰ مجنوں
اور دیکھو تو میں ان سب کا بھی افسانہ ہوں

قلبِ مومن ہے بلا ریب مکانِ خالق
وہ ہے سینہ میں مرے حق کا میں کاشانہ ہوں

دیکھ لو صورتِ بیرنگ میں روئے حق کو

جانِ جاں، جان لو، میں جان کا جانانہ ہوں [عہ]

آپ نے مرزا رفیع سوداؔ کے ایک شعر کا جواب دیا ہے، جو علاقہ کڈپہ میں زبان زد خاص و عام ہے۔ ؎

شعرِ سوداؔ:۔ ؎

سوداؔ ہزار حیف کہ ہم اس جہان میں
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لئے؟

شعرِ شاہ بیرنگ:۔ ؎

بیرنگ ہزار شکر کہ ہم اس جہان میں
وہ کر چلے کہ آئے تھے جس کام کے لئے

شاہ اکمل

حضرت سید جلال الدین عرف یوسف علی شاہ بخاری قادری فرزندِ کلاں حضرت شاہ کمال جامی دکن قدس سرہٗ (متوفی ۱۲۲۴ھ) ایک متوکل علی اللہ بزرگ تھے۔ علم و عرفان اور زہد و تقویٰ آپ کی گھٹی میں پڑے تھے۔ آپ حسنِ صورت و جمالِ سیرت کے مجمع البحرین تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد کتب متداولہ کی تکمیل کے لیے مدراس تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کا قیام "جام بازار" کی مسجدِ امیرالنساء بیگم میں تھا۔ زمانۂ طالب علمی کا ایک سبق آموز واقعہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت علی مراد شاہ افضل کڈپوی نے اس طرح رقم فرمایا ہے کہ "والدِ بزرگوار فرماتے تھے کہ تحصیل علمی کے زمانے میں مسجدِ امیرالنساء بیگم مدراس میں میرا قیام تھا۔ میرے پاس کچھ قلیل رقم تھی، وہ چند دنوں بعد ختم ہوگئی اب فاقوں پر فاقے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ نماز میں قیام کی بھی سکت نہ رہی۔ ایسی حالت میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بصد عجز و انکساری میں نے دعا کی کہ رب العالمین میری آبرو رکھ لینا اور میری حاجت بر لانا۔ اللہ کا کرم کہ دعا قبول ہوئی۔ رزق کے دروازے غیب سے کھل گئے۔ اس کے بعد عرصہ دراز تک میرا قیام وہاں رہا مگر کبھی بھی فاقہ کی نوبت نہیں آئی"۔ ایک اور مقام پر حضرت افضل تحریر فرماتے ہیں: "والدِ ماجد ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم طلبۃ العلوم بزمانۂ عشاء سے فارغ ہونے کے بعد مطالعہ کتب میں رات پھر اس طرح

مستغرق ہو جاتے کہ صبح کی اذان ہو جاتی اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ رات کیسے گزری ۔"

(ملخص از فارسی حکایات)

بہرحال آپ نے بڑے ہی شوق و ذوق کے ساتھ تعلیم حاصل کی، اس دور کے جیّد علماء و فضلا سے اکتسابِ علم کیا اور بعد فراغت وطن مالوف کڈپہ لوٹ آئے بعد ازاں آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت شاہ کمالؔ قدس سرّہٗ سے فیضانِ باطنی حاصل فرمایا۔ اور خلافتِ قادریہ سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت شاہ کمال کی وفات کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری خلیفۂ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ سے دیگر سلاسل میں بھی اجازت و خلافت سے فیض یاب ہوئے۔ الغرض حضرت اکملؔ اپنے آباء و اجداد کی طرح صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کے پانچ رسائل تاحال دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ کی شاعری اور نثر نگاری کا اچھا خاصہ نمونہ ہاتھ لگا ہے۔ آپ کی شاعری میں اپنے والد شاہ کمالؔ کی چھاپ نظر آتی ہے۔ پرشکوہ الفاظ کا استعمال اور سلاست و روانی کا امتزاج آپ کی شاعری کا خاصہ ہے۔ نثری نگاری میں بھی اس خانوادے کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ آپ کی نثر عالمانہ اور رنگِ قدیم سے آراستہ ہے۔

تصانیف کا تعارف اور نظم و نثر کے نمونے درج ذیل ہیں:-

۱ **چہل حدیث** :- یہ حضرت شاہ کمال کے "رسالۂ چہل حدیث" منظوم فارسی کا منظوم ترجمۂ اردو ہے۔ سال کتابت ۱۲۸۸ھ جملہ صفحات : ۲۸

۲ **مقصود السالکین** :- (اردو نثر) تقطیع متوسط، فن تصوّف کا بہترین رسالہ۔ یہ نسخہ بحسبِ اطلاع محمد سخاوت مرزا کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کا مخزونہ ہے۔ ع۶۹

(نسخۂ دوّم) مخزونۂ کتب خانۂ آستانۂ شہمیریہ، کڈپہ۔ "مقصود السالکین" رسالۂ تصوّف، یہ نثر میں ہے۔ مگر حمد و نعت نظم میں ہیں۔ جملہ صفحات ۱۱۳۔ سطر ۱۳ کتابت نستعلیق۔ مصنف شاہ جلال الدین اکملؔ حسینیؒ۔

ابتداء :

کروں حمدِ خدا یہ دم ہے کہاں | یہ لب و لہجہ اور یہ فہم ہے کہاں
کس طرح یہ نثار قلم ہونا! | دست اور لوح اور قلم ہونا
ایسا دست اور دوات و خامہ کہاں | وہ سکت یہ سیاہ نامہ کہاں
ہے زبس یہ ثنا کا بام بلند | کیوں وہاں پہنچے فکر کا یہ کمند
ہاں زبانِ قلم قلم ہووے | رُکے دم اور بند فہم ہووے
ہم کو کرنے ثنا زباں ہے کہاں | منہ میں یہ طاقت و تواں ہے کہاں
جب کہ فرمایا دین کا مالک | مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

حمد کے چوالیس ۴۴ شعر کے بعد "مناجات بیچ جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے" کے عنوان کے تحت چھتیس ۳۶ ابیات تحریر کی گئی ہیں۔ چند ملاحظہ ہوں:- ؎

عرض ہے یہ حضور انور سے | تیرے درگاہِ پاک برتر سے
شاق ہے مجھ پہ ہجر دلبر کا | چمنِ ناز کے صنوبر کا
سرو گلزار جس کا قامت ہے | جس سے اس دل پہ یک قیامت ہے
بیٹھا سینے میں جس کا خنجر ہے | رگِ دل بیچ نوکِ نشتر ہے
اس کے ابرو کا ہم جو خم دیکھا | مکّہ جا مسجدِ حرم دیکھا
حاجیٔ دل نے بولا اے گم راہ | کر لے حج ہے یہی تو بیت اللہ
دِل کہا دیکھ ہر دو دیکھ رخسارے | ہیں چمن میں دو گیند کیا پیارے
آنکھ اور ناک میں ہے لاثانی | لکھ سکے ایسا نقش کیا مانی
جس کی دوری کی یہ آتش افروزی | کرے ہر دم مرے جگر سوزی

۳- مسائل زنان:- جملہ صفحات ۹۴۔ فقہ۔ ترجمہ فارسی: (نثر) نمونہ ملاحظہ ہو:-

"اے طالبو! بوجھو تم جو سیر کرنے والے سیر الی اللہ اور فی اللہ اور باللہ اور مع اللہ کے ہیں۔ واسطے سالکانِ راہ حق کے اور طالبانِ دیدار مطلق کے پانچ راہ

اور چار منزل اور یک مقام مقرر کئے ہیں ۔ پانچ راہ یعنی راہِ شریعت، راہ طریقت راہِ حقیقت، راہِ معرفت، راہِ وحدت ۔ چار منزل: منزلِ ناسوت، منزل ملکوت منزلِ جبروت، منزلِ لاہوت ۔ یک مقام: مقامِ قرب ۔

اے طالبو اس بیان کو بغور اور تامل کان سے قبولیت کے سنو اور موافق سننے کے عمل کرو ۔ اول راہِ شریعت یعنی اس ظاہر کے تن سے عبادت کرنا ۔ دوسری راہِ طریقت دل سے عبادت کرنا تیسری راہِ حقیقت جان سے عبادت کرنا، چوتھی راہِ معرفت پچھانت اور دیدار حق سبحانہٗ کا یعنی حق سے حق کو دیکھنا جیسا کہ حدیثِ شریف میں آیا ہے عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ وَرَأَیْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ ......"

۴ ترجمۂ رسالۂ عربی ۔ مختصر مخطوطہ ۔ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد ۔

۵ بعض دکنی غزلیں اور ایک رباعی ۔

رباعی ملاحظہ ہو :۔

اقسام کی بخششیں خدا بخشے ہے	ہر اسم سے یک عطا جدا بخشے ہے
ہر آن میں اس حقیقت عالم کو	اک اسم فنا تو یک بقا بخشے ہے

حضرت اکملؔ کا وصال بارہ سو ستہتر (۱۲۷۷ھ) میں ہوا ۔ آپ کڈپہ سے محل تشریف لے گئے تھے ۔ وہیں آپ کا وصال ہوا اور محل کی مسجد میں سپردِ خاک کئے گئے ۔ (محل رائی چوٹی ضلع کڈپہ کے قریب ایک قصبہ ہے جو اب ضلع چتور میں شامل ہے ۔)

شاہ سالکؔ

حضرت سید شاہ سلطان محی الدین بادشاہ بخاری قادری کا لقب "غوث نما" اور تخلص سالکؔ تھا ۔ آپ حضرت سید شاہ حسینی بادشاہ بخاری (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے لختِ جگر و نورِ نظر اور حضرت سید شاہ نور اللہ واقف اسرار اللہ بخاری نورؔ کڈپوی کے پوتے تھے ۔ آپ نے طلبِ علم کے شوق میں عہدِ طفولیت ہی میں وطنِ مالوف کڈپہ کو خیرباد کہہ دیا تھا ۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں آپ کے دس سال ویلور میں چار سال شہر آرکاٹ میں

گزرے آپ وہاں سے بعد تکمیل مدراس پہونچے اور شہر کے جید علماء وصلحاء سے خوب اکتساب نور فرمایا۔ آپ علوم دینیہ سے فارغ ہونے کے بعد جب کڈپہ پہونچے تو حضرت پیر رنگ (متوفی ۱۲۶۸ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ عرصہ بعد حضرت پیر رنگ نے آپ کو چاروں سلسلوں میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ جب شیخ و مرشد کا وصال ہوگیا تو آپ مزید تحصیل معارف اور تکمیل مراتب کے لیے صوفی کامل صاحب دل بزرگ حضرت سید شاہ فخر الدین صاحب قادری شطاری سے وابستۂ دامن ہوگئے اور مرشد شاہ فخر الدین کے حکم سے مختلف شہروں کا دورہ کرنے لگے تاکہ ہدایت خلق واشاعت حق کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر جب آپ کا ورود مسعود شہر حیدرآباد میں ہوا تو ایک مدت قیام پذیر ہونے کے بعد تقریباً ۱۳۰۰ھ میں واصل الی اللہ ہوگئے۔ آپ کا مزار شریف عثمان گنج کے قریب "گوشہ محل" میں واقع مسجد توپ خانہ کے قبرستان میں موجود ہے۔ آپ کے ایک خلیفہ امام محی الدین حامی حیدرآبادی ولد غلام محی الدین رجانے "اثر اعتقاد" کے نام سے ۱۲۷۷ھ میں ایک رسالہ ترتیب دیا تھا۔ جس میں آپ کے حالات زندگی، خاندان اور سلسلۂ بیعت وغیرہ کی تفصیلات درج ہیں۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ اردو کے مشہور محقق محمد سخاوت مرزا نے آپ کی تصانیف کی تعداد بتیس ۳۲ بتائی ہے ؎ اور سب کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے۔ چوں کہ آپ حیدرآباد میں آسودۂ خاک ہیں اس لیے آپ کے تذکرہ نگار آپ کو حیدرآبادی شعراء میں شمار کرتے ہیں، حالاں کہ آپ کی خمیر کڈپہ کی سرزمین سے اٹھی تھی۔ بہرحال "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق آپ کی شاعری ونثر نگاری کا بلا انتخاب نمونہ پیش کیا جارہا ہے۔ ؎

محمدؐ باعث کون ومکاں ہے — محمدؐ پادشاہ مرسلاں ہے

ہے مرآت خدا سردار دو عالم — محمدؐ عکس ذات بے نشاں ہے

مکان لامکاں کا ہے مکیں وہ — محمدؐ کا یہاں ظاہر مکاں ہے

گل داغ جدائی سے نبیؐ کے — مرا دل غیرت صد بوستاں ہے

جگر میں آہ ہے اور لب پہ نالہ | مری آنکھوں سے اب ندی رواں ہے
دکھا سالک کو اب راہِ مدینہ | اگرچہ ہوں یہاں پر دل وہاں ہے

• حال میرا کہاں ہے اوّل کا | میں ہوں فیضِ جنوں سے جنگل کا
اے فلک مجھ کو کیوں ستاتا ہے | میں تو مہماں ہوں آج یا کل کا
رات دن پانی ہی چرانا ہے | کام اس آبلے کی چھاگل کا
ضعف کا حال کیا کہوں یارب | بوجھ مجھ کو کفن ہے ململ کا

اندنوں کچھ عجیب ہے سالکؔ
حال میرے جنوں کے چھل بل کا ؏ـہ

رباعی: ؎

صورت کے نظر آنے کو لازم مِرآت | مِرآت میں مری کی ہے صورت دن رات
اس ایک میں چاہو تو ہزاروں دیکھو | مِرآت کے ٹکڑوں میں ہیں لاکھوں صورات

حضرت سالکؔ کی شاعری میں سلاست و روانی کے ہمراہ نازک خیالی اور فضا بندی کا عنصر غالب ہے۔ آپ کا معیاری کلام اس دَور کے شعراء میں آپ کو منفرد و ممتاز مقام عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔

نثر :۔

"الحمد للہ شروع اس کتاب کا، نام سے اُسی کے ہے جو وہ ہر جائے موجود ہے۔ اور جملہ مخلوقات کا معبود ہے، سوائے اس کے کوئی وجود نہیں رکھتا، سب اس سے موجود ہیں ....

تمام ہوا رسالہ نکات الواصلین مدد سے مرشد کامل کے، جب اس جائے قلم پہونچا لکھنے سے بند ہوا، معلوم ہوا کہ ارادہ حق تعالیٰ کا یہاں تک ہی ہے۔ اگر آگے ہوتا تو اور کچھ لکھا جاتا۔ اللّٰھُم اغفرلی والوالدیہ و لمرشدنا .... حضرت سید حسینی باشا قادری و حضرت روشن ضمیر سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری الچشتی قدس سرھما۔ آمین..

حضرت سالک کی نثر قدیم روایات کی حامل ہونے کے باوجود معارف و حقائق کی متحمل ہے، اور اس میں یک گونہ روایت شکنی بھی موجود ہے۔

حضرت عبد کڈپوی

آپ کا اسم گرامی سید عبد القادر بخاری عرفیت قادر بادشاہ اور تخلص عبد تھا۔ آپ حضرت سید جمال الدین بادشاہ (ثانی) جمال کڈپوی متوفی ۱۲۶۴ھ کے فرزندِ ارجمند اور حضرت شاہ میر ثانی بیرنگ کڈپوی متوفی ۱۲۶۸ھ کے لاڈلے پوتے تھے۔ چوں کہ آپ والد کے وصال کے تین ماہ بعد پیدا ہوئے تھے اس لیے آپ کے دادا شاہ بیرنگ اس دُرِّ یتیم کی بڑی ہی قدر و حفاظت فرماتے تھے۔ آپ ابھی چار ہی سال کے ہوئے تھے کہ دادا جان اللہ کو پیارے ہوگئے۔

والدہ ماجدہ نے اپنے لختِ جگر کو محلۂ نبی کوٹ کے دینی مدرسہ میں داخل کیا۔ اس وقت نبی کوٹ اہلِ علم و فضل کا مرکز تھا۔ آپ نے وہاں کے بہت سارے علماء و فضلاء سے اکتسابِ علم کیا۔ بعد ازاں حضرت سید علی مراد شاہ بخاری افضل کڈپوی کی خدمت میں حاضر ہوکر علوم باطنی سے بہرہ ور ہوئے آپ عالم با عمل اور زاہدِ بے بدل شخص تھے۔ آپ کی ذات آپ اپنے جدِ اعلیٰ شاہ جمال (اوّل) کی طرح سخاوت و فیاضی میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "دل کھول کر خرچ کرو جس قدر باؤلی سے پانی نکالتے جاؤ گے اتنا ہی آتا جائے گا۔ اسی طرح فراخ دلی سے خرچ کرنے سے اللہ کی دین میں کمی نہیں ہوتی"[۳] حضرت افضل نے آپ کی شادی اپنی اکلوتی بھانجی یعنی حضرت عیسیٰ میاں کی دختر نیک اختر سے کرائی۔ افسوس کہ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح عین جوانی میں یعنی چھتیس ۳۶ سال کی عمر میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

آپ کو بھی اپنے اسلاف کی طرح شاعری کا صالح ذوق تھا۔ سلجھے ہوئے شعر کہتے تھے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے آپ کی شاعری قابلِ قدر ہے۔ نمونتاً چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ۔۔ ؎

محمدؐ مالکِ کون و مکاں ہے
محمدؐ وارثِ انساں و جاں ہے

محمدؐ ابتدا میں تو نہاں ہے
محمدؐ انتہا میں بس عیاں ہے

محمدؐ مظہرِ حق، مظہرِ خلق
محمدؐ دونوں عالم کا نشاں ہے

محمدؐ سیدِ اولادِ آدمؑ !
محمدؐ شاہِ جنّ و قدسیاں ہے

محمدؐ سرِّ حق، رمزِ الٰہی !
محمدؐ رازِ حق کا رازداں ہے

شریعت میں محمدؐ بندۂ حق !
طریقت میں خدائے دوجہاں ہے

اَنَا مِنْ نُورٌ سے اے عبدِ قادر
محمدؐ نورِ خالق بے گماں ہے

محبوب سے کہتا ہے خدا یار ہوں تیرا
عرضِ محمدؐ کہ طلبگار ہوں تیرا

معراج میں ہر سمت سے آتی تھی یہ آواز
پیارے مرے آ، طالبِ دیدار ہوں تیرا

دے بخش گناہوں کو سبھی عبد کے یارب
عاصی و گنہگار، سیہ کار ہوں تیرا

حضرت افضل کڈپوی

حضرت سید شاہ مُراد علی عرف علی مراد شاہ بخاری قادری افضل کڈپوی حضرت سید شاہ جمال الدین اکمل (متوفی ۱۲۷۷؁ھ) کے بڑے صاحبزادے اور جامئی دکن حضرت شاہ کمال قدس سرہٗ (متوفی ۱۲۲۴؁ھ) کے پوتے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۴۹؁ھ (بارہ سوانچاس) میں ہوئی۔ خاندانی رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت اکمل کے زیرِ نگرانی مکمل ہوئی بعد ازاں مزید تعلیم کی خاطر حضرت افضل مدراس تشریف لے گئے۔ مدراس میں استاذ العلماء حضرت علامہ غلام قادر مدراسی ابن محمد فاخر گوپاموی (متوفی ۱۲۹۳؁ھ) مصنفِ صراط الاسلام و ضوابط فرقان، و کلمات صوفیہ وغیرہ مسجدِ والاجاہی (جامع مسجد) کے صحن میں طلبۃ العلوم کو مُطوّلات کا درس دیا کرتے تھے، جس کا دُور دُور تک چرچا تھا۔ لہٰذا حضرت افضل بھی آپ ہی کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ حضرت افضل مدراس کی تعلیم سے اپنے والد کے وصال سے پہلے ہی نہ صرف فارغ ہو چکے تھے بلکہ والدِ بزرگوار کی اجازت و خلافت سے بھی آراستہ و پیراستہ ہو گئے تھے اور بعد کو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ

نقیر محی الدین مقبلؔ (۱۲۶۱ھ - ۱۳۴۶ھ) کی تعلیم و تربیت کا بھی بیڑا اٹھایا تھا ع ۹۴
یہ ممکن ہے کہ جنوب کی مایہ ناز قدیم دینی درس گاہ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور (قائم شدہ ۱۲۷۹ھ) کے مؤسس و بانی حضرت شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری قدس سرہٗ خلیفۂ حضرت قطبِ ویلور (۱۲۴۷ھ - ۱۳۳۷ھ) حضرت افضلؔ کے شریکِ درس و ہم جماعت رہے ہوں۔ کیوں کہ بانیٔ مدرسۂ باقیات نے بھی ویلور میں ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بغرضِ اعلیٰ تعلیم ۱۲۷۱ھ میں مدراس کا سفر فرمایا اور حضرت علامہ غلام قادر مدراسی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچ کر زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں پورے سات سال مدراس میں قیام پذیر رہے، اس طرح دیکھا جائے تو حضرت بانی حضرت افضل سے صرف دو سال بڑے تھے اور دونوں کا قیام مدراس میں ایک ہی زمانے میں تھا اور دونوں ایک ہی استاذ حضرت علامہ غلام قادر مدراسی کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ حضرت افضل کے دیگر اساتذہ میں دربارِ ٹیپو کے مشہور منجمؔ منشی غلام حسین عاصی میسوری (متوفی ۱۲۸۰ھ) کا نام بھی تذکروں میں ملتا ہے ع ۹۵ آپ نے حضرت عاصیؔ سے کب اور کہاں تعلیم حاصل کی اس کی تفصیل موجود نہیں۔ ممکن ہے کہ آپ میسور پہنچ کر منشی منجمؔ سے اکتساب فن کیا ہو۔
حضرت افضلؔ علم ریاضی، علم نجوم اور ہندسہ کے ماہر تھے۔ چناں چہ "مفید الاطفال" کے نام سے تیس ۳۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ جس میں اسمائے الٰہی، اوامر و نواہی کے ساتھ علم ریاضی اور علم جُمّل کو بچوں کے لیے سہل اور کار آمد طریقے پیش کیا گیا ہے۔ بہر حال آپ کی شخصیت شیخ کامل اور علاّمہ وقت کی تھی۔ آپ راہِ شریعت پر سختی سے گامزن رہتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ رنج و غم کی محفلیں ہوں یا مسرت و شادمانی کے مقامات کہیں بھی کوئی غیر شرعی کام دیکھ لیتے تو فوری کسی کا لحاظ و پاس کئے بغیر اسی مقام پر ڈانٹ دیتے اور اس کی اصلاح فرما دیتے۔ اور لوگ آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر بدعات و خرافات اور گمرہیوں کا اپنے قول و قلم سے ڈٹ کر

مقابلہ فرمایا۔ چناں چہ آپ نے علمائے مہدویہ کے سوالات و اعتراضات کا تشفی بخش اور مُسکِت جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس تعلق سے ایک کتاب "ہادیٔ غیر مہدی" بھی تصنیف فرمائی جو نظم و نثر کے چھپّن ۵۶ صفحات پر محیط ہے۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں مطبع محمدی بنگلور سے شائع ہو چکی ہے۔

آپ ایک خوش الحان قاری بھی تھے اور علم تجوید کے نامور معلّم بھی، آپ نے اس فن میں بھی "روح التجوید" کے نام سے مختصر رسالہ ترقیم فرمایا، جس کو آپ کے خلیفہ حضرت شہیر (ثالث) نے اپنی کتاب "منازل المصحف" کے ساتھ شائع کیا۔

"خطباتِ افضل" آپ کی منظوم تصنیف ہے، جس میں جمعہ اور عیدین کے خطبے، حکایات و قصص اور پند و نصائح کے پیرائے میں آسان زبان میں منظوم کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے جدِّ امجد حضرت شاہ کمالؒ کی تصنیفات و تخلیقات کو ایڈٹ کر کے شائع فرمایا ہے۔ چوں کہ آپ کو شاعری وراثت میں ملی تھی لہٰذا فارسی اور اردو میں آپ کے کلام کی موجودگی ناگزیر ہے۔ آپ کے نایاب کلام میں سے فارسی کے علاوہ اردو غزلیں، مثنویاں اور مخمّس دستیاب ہوئے ہیں۔ آپ کی ایک مشہور نظم "مناجاتِ وبا" آج بھی ہر کہ و مہ کی زبان پر جاری ہے۔ اس کی شانِ نزول کے تعلق سے یہ روایت حدِّ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔

شہرِ کڈپہ میں ایک مرتبہ شدید ہیضہ پھوٹ پڑا جس کی وجہ سے سینکڑوں انسانی جانیں تلف ہونے لگیں۔ معتقدوں نے حضرت افضل سے دُعا کی درخواست کی۔ حضرت نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر دُعا فرمائی اور دفعِ وبا کا عمل بھی کیا۔ خدا کی شان کہ وبا ایک دو دن میں ہی ختم ہو گئی اور خلقِ خدا اس کی ہلاکت خیزی سے محفوظ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے "مناجات وبا" لکھ کر لوگوں کو سنائی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ آج بھی جب کبھی شہر میں ہیضہ آتا تو ہر محلّے سے نعت خواں "مناجاتِ وبا" پڑھتے ہوئے آپ کے آستانے پر جمع ہوتے ہیں اور آپ کے وسیلے سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دُعا کرتے ہیں تو فوری خدا کے

فضل سے یہ وبا شہر سے اس طرح غائب ہوتی ہے جیسے کبھی آئی نہ ہو۔ اس مناجات کے چند شعر ملاحظہ ہوں:- ؎

ہم کو یا ربّنا وبا سے بچا	از پئے مصطفیٰؐ وبا سے بچا
بہر بوبکرؓ ہم عمرؓ عثماںؓ	وز پئے مرتضیٰؓ وبا سے بچا
یا الٰہی پئے حسینؓ و حسنؓ	از پئے فاطمہ وبا سے بچا
از پئے عزّت شہ مرداں	بہر خیر النسا وبا سے بچا
اولیا اور اصفیا کا طفیل	صدقۂ انبیا وبا سے بچا
سب کے اوپر اڑا اکرم کی ردا	بہر آلِ عبا وبا سے بچا
آل و اصحابؓ مصطفیٰؐ کے لئے	ربّنا ربّنا وبا سے بچا
ہے عجب لاعلاج بیماری	ہم کو اس لادوا وبا سے بچا
شامتِ اعمال کی ہماری ہے	لی ہے تشکل وبا وبا سے بچا
ہو گئی ہے بہت زناکاری	دے اماں از زنا وبا سے بچا
رکھ ان افعال سے ہمیں محفوظ	جن سے آوے وبا وبا سے بچا

مخمّس کے چند بند پیش ہیں:- ؎

ذکر پیغمبر کا ہے جلدی نہیں حاشا کروں	وصف شاہِ دیںؐ کا ہے آہستہ آہستہ کروں
ہر نماز فرض پڑھ کر مصرع اک املا کروں	صبح سے لے تا عشا ہر بند یوں پورا کروں

نعت میں لاؤں ہے یوں توصیف خمسہ کروں

ہوں نمازِ صبح سے فارغ کروں ذکر جبیں	بعد ظہر و عصر کے مدح دو رخسارِ مبیں
اور پس مغرب شفق کو لب میں لکھوں دل نشیں	جب عشاء پڑھ لوں تو لکھوں شرح زلفِ عنبریں

بعد فرض پنجگانہ ورد یہ اپنا کروں

چند متفرق اشعار درج ذیل ہیں:- ؎

نام خود حمد سے مشتق ہے ترا صلِّ علیٰ	تو محمدؐ ہے تو محمود ورا صلِّ علیٰ
تو قدیم اور نہ حادث ہے ترا صلِّ علیٰ	طور کچھ اور ہی تیرا ہے نیا صلِّ علیٰ

عاجزی تیری ثنا سے ہے ثنا صلِّ علیٰ — افضل الحق ہے تو ہے بعدِ خدا صلِّ علیٰ

قطعہ :

ہر رواں عمر آب کی مانند — زندگی ہے حباب کی مانند

خالی و بے حصول و باد بدست — حالِ دنیا ہے خواب کی مانند

• نہ ورد بیں ہے نہ لالہ میں نہ سمن میں ہے — بہار جو ترے رخسار کے چمن میں ہے

نہ زعفراں میں نہ ہے مشک میں نہ عنبر میں — جو نکہت اس شہہ کونین کے بدن میں ہے

ہے نورِ ید بیضا کا ہر کفِ پا میں — اثر ہزار مسیحا کا ہر سخن میں ہے

صفات و ذات میں تیرا عدیل او ر مانند — نہ کوئی قدرتِ خلّاقِ ذوالمنن میں ہے

کبھی نہ بھول وظیفہ درود کا افضلؔ — کہ لفظ صلِّ علیٰ کا ہر اک دہن میں ہے

• یارِ سفر زمیں پہ دھرنے بھی ہم نہ پائے — ہونے لگی بلند صدا الرّحیل کی

آپ کی شاعری میں ایک طرح کی لوچ اور دردِ دل کی پکار محسوس ہوتی ہے زبان پاکیزہ اور بے عیب ہے۔ حضرت افضلؔ کا ایک غیر مطبوعہ خط بطور نمونہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ جسے آپ اپنے خلیفہ خطیب محمد اکبر صاحب لڈاپوی کے نام تحریر فرمایا تھا۔

" تسمیہ و حمد و نعت و سلام مسنون کے بعد معلوم ہو وے کہ ہم بفضلِ تعالیٰ محل میں بخیر ہیں اور خیریت آپ کی مطلوب ہے۔ صبح مدنیلی کو روانہ ہونے کا قصد ہے۔ ہمارے قصائد خطبوں کے ہر یا نعت کے آپ کے پاس جو کہ ہیں، سب یک کاغذ پہ باریک خط سے لکھ کر جلد روانہ کریں۔ مدنیلی والوں کو اس کی بڑی خواہش رہی ہے، اور میں سب قصائد کا جزدان بھول کر آ گیا۔ برخوردار سید نذر اللہ زاد علمہ کی طرف سے بھی سلام پہنچے۔ پوچھے سو صاحبوں کو ہمارا سلام بولنا، اور غیبو صاحب کو سلام بولکر گھر پہ بہت نظر رکھو بولنا۔ ۵ رجب ۱۳۰۸ھ

راقم آثم علی مراد شاہ عفی عنہٗ — از محل

(۹) نعالی یہ خط کرڑپے میں موچا بازار میں استاذ اکبر صاحب سلمہٗ کو دینا۔

خط میں مذکور حضرت سید نذر اللہ شاہ بھی آپ کے خلیفہ تھے، جو حضرت سید شاہ نوراللہ بخاری نور کڈپوی کی اولاد سے تھے۔

حضرت افضلؒ کے ہزاروں معتقدین و مریدین تھے، راقم الحروف کے والدِ ماجد حضرت الحاج ٹی یوسف نائک صاحب، وظیفہ یاب تحصیلدار کڈپہ (متوفی 13ر جولائی 1992ء) فرمایا کرتے تھے کہ راقم کے دادا حضرت ٹی۔ پیر نائک (متوفی 1947ء) ابنِ بابا نائک بن سلطان نائک بھی حضرت افضلؒ کے مرید تھے اور آپ نے اپنے شیخ کے ہمراہ کئی سال گزارا تھا اور اسفار میں بھی آپ ساتھ رہا کرتے تھے، حضرت پیر نائک کا مزار قصبۂ کلّی ریڈی پلّی (رائچوٹی تعلقہ) میں ہے۔ وہاں آپ کا عرس بڑے عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

حضرت افضلؒ کا روضۂ شریف نہر داؤد خانی کے کنارے حضرت سید شاہ نوراللہ بادشاہ کے قریب چبوترے پر ہے۔

حضرت خواجہ مخدوم کڈپوی

آپ کا اسم گرامی حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری معروف بہ خواجہ سید شاہ مخدوم اللہ (اوّل) تھا۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت خواجہ سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادریؒ (۱۱۷۲ھ۔ ۱۲۵۳ھ) اور آپ کے جدّ امجد حضرت خواجہ سید شاہ امین اللہ چشتی القادری قدس سرہٗ (متوفی ۱۱۹۱ھ) تھے۔ حضرت خواجہ مخدوم خانوادۂ عارفین کے چشم و چراغ، عالم و فاضل، صوفی صاحبِ دل، عارفِ بے بدل اور ادیب و شاعر تھے۔ عہدِ طفولیت ہی سے آپ کی ذکاوت و فراست اور ذہانت و بصیرت کے چرچے اہلِ خاندان میں ہونے لگے تھے۔ بقول پروفیسر سید عباس مرحوم: "حضرت مخدوم اللہ کو بچپن سے علوم دین حاصل کرنے کا شوق تھا۔ جب آپ آستانے کے مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے، اس وقت عجیب و غریب سوالات سے اپنی ذہانت کا ثبوت دیتے تھے۔ ایک دن آپ نے اپنے استاذ حضرت منگل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآنِ پاک کے حروف مقطعات سے متعلق سوالات

کئے اور عجیب انداز میں اُن کے رموز استاذ کے سامنے بیان فرمائے۔ دورانِ تعلیم آپ نے ہادی اور مہدی کے معارف کچھ اس طرح بیان کئے کہ آپ کے استاذِ محترم بہت متاثر ہوئے۔ مختصر مدّت میں آپ نے علمِ فقہ، علمِ حدیث اور علمِ تفسیر میں بہت عبور حاصل کیا۔ اور ایک بلند مرتبت عالمِ دین بن گئے۔[۸۱]"

حضرت خواجہ مخدوم نے علمِ تصوّف کی تکمیل اپنے والدِ بزرگوار سے کی اور بعد کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کئے گئے۔ آپ کو سیاحی کا بہت شوق تھا۔ لہٰذا سفرِ مدراس کے زیادہ مواقع نکل آتے تھے۔ علاوہ ازیں مدراس کے مایہ ناز مشہور و معروف شاعر ملک الشعراء شاہ محمد صادق الحسینی شریف مدراسی (۱۲۴۰ھ - ۱۳۲۲ھ) آپ کے خادم و خلیفہ تھے۔ آپ کا قیام شریف مدراسی کے قیام گاہ پر ہی رہتا تھا۔ آپ ایک بلند پایہ صوفی ہونے کی وجہ سے عوام و خواص کے لیے مرکزِ توجہ تھے۔ پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ مجدّدِ عصر شیخ الشیوخ حضرت مولانا سید شاہ محی الدین عبداللطیف نقوی ویلوری معروف بہ قطبِ ویلور قدّس سرّہٗ (۱۲۰۷ھ - ۱۲۸۹ھ) جب کڈپہ تشریف لائے تو حضرت خواجہ مخدومؒ بھی حضرت قطبِ ویلورؒ کی مہمان نوازی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اس موقعہ پر حضرت قطبِ ویلورؒ نے آپ کی بزرگی و پرہیزگاری کی تعریف فرمائی۔[۸۲] بہرکیف آپ گوناں گوں خوبیوں کے مالک تھے۔ آستانہ مخدوم اللّٰہی کڈپہ کے سجادۂ پنجم اور معمارِ جدید کی حیثیت سے آپ کا نام تاریخ میں روشن رہے گا۔

راقم الحروف کے پاس استاذ محترم مولانا مولوی محمد جعفر حسین صاحب باقوی فیضی صدیقی مدظلہٗ العالی کے دادا خسر حضرت مولانا عبدالقدوس ضو ویلوری (سنہ ۱۲۸۲ھ - سنہ ۱۳۶۵ھ) کی بیاض امانتاً رکھی ہوئی ہے۔ جس میں آپ کے افرادِ خاندان کی تاریخ ولادت و وفات، مختلف طبّی نسخے اور اوراد و وظائف مرقوم ہیں۔ اس بیاض سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت ضو حضرت خواجہ سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری ابنِ خواجہ سید شاہ مخدوم اللہ قدس سرّہٗ کے مرید و خلیفہ تھے، مرشد ہی

نے آپ کا طریقتی نام خواجہ شاہ ہدایت علی چشتی القادری رکھا۔ بہرحال حضرت صؔنو نے اس بیاض میں اپنے دادا پیر حضرت خواجہ مخدوم اللہ کی چند غزلیں، نظمیں اور دس صفحات پر مشتمل ایک رسالہ "کلمۃ الحق" جو خواجہ مخدوم نے اپنے دونوں فرزندوں کی تعلیم کے لئے تحریر فرمایا تھا، نقل کیا ہے۔ اسی سے آپ کی نظم و نثر کے نمونے پیش کئے جا رہے ہیں

منتخب اشعار: ؎

اے مُوحد مئے میں ہے کیا چیز، میخانے میں کون
کون ہے خُم میں، سبو میں، پیمانے میں کون
آنکھ میں ہے کس کی صورت اور دل میں کس کا نقش
کون ہے آئینہ خانے میں، سیا خانے میں کون
ہے الجھنا کام کس کا اور سلجھنا کس کا فعل
زلف میں ہے کون اے مشاطہ اور شانے میں کون

- یا نبیؐ مجھ کو دکھا چہرہ زیبا تیرا — سر میں ہے روزِ ازل سے میرے سودا تیرا
- نہوگی مجھ سے کچھ تعریف تیری — مراستہ اور کہاں شانِ محمدؐ

بیاضِ صؔنو میں حضرت خواجہ مخدوم کی ایک مختصر مثنوی مسمّٰی بہ "توحید نامہ" شامل ہے۔ جس کے جملہ ابیات ۷۷ ہیں۔ بعض اشعار ملاحظہ ہوں:۔ ؎

کروں میں حمد پہلے کبریا کی — وہاں سے نعت ختم انبیاؐ کی
محمدؐ کو نہیں کہتا خدا میں — خدا سے پھر محمدؐ کب جدا ہیں
احد سے جلوۂ احمد عیاں ہے — فقط یک میم گھونگٹ درمیاں ہے
اٹھا گھونگٹ ہے یکتائی ہویدا — جمالِ شاہدِ توحید پیدا
علیؓ عینِ محمدؐ ہیں بلاشک — کبھی ہوتے نہیں دونوں یہ مُنفک
علیؓ میں دیکھ جلوہ مصطفیٰؐ کا — نبیؐ میں دیکھ تو جلوہ خدا کا
ابا بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ — یہ چاروں ہیں خلافت میں برابر
بس اے مخدوم کب تاب بیاں ہے — خیالِ عرضِ مطلب بیگماں ہے

اپنے پیرو مرشد کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں :۔

مرے مرشد ید اللہ ہے حسینی — کروں کس منہ سے میں تعریف ان کی

ہیں خادم اُن کا وہ میرے ہیں مخدوم — کرامت ان کی ہے عالم پہ مفہوم

آپ نے اپنے برادر عزیز خواجہ سید شاہ عارف اللہ حسینی عرف نوشاہ صاحب پیر کا ذکر فرمایا اور ان کی خدمات کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔

عیاں یہ راز ذی توقیر سے ہے — منوّر کڈپہ صاحب پیر سے ہے

آپ کی غزل پر آپ کے خلیفہ جناب شریف مدراسی نے تضمین کہی ہے جس کے پانچ بند ہیں۔ اور یہ نظم مخمس کی ہیئات میں ہے۔

اب یہاں رسالہ 'کلمۃ الحق' کا ابتدائی حصّہ بطورِ نمونہ پیش کیا جا رہا ہے

" امّا بعد فقیر حقیر خاکسار سید شاہ مخدوم حسینی چشتی القادری ولدِ جناب عارف جامع المعارف زبدۃ الکاملین، عمدۃ المحققین حضرت خواجہ سید شاہ ید اللہ حسینی محمد الحسینی چشتی القادری بنظرِ ضرورتِ تعلیم فقیر زادگان یعنی خواجہ سید شاہ عارف اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری و خواجہ سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری مدّ اللہ تعالیٰ عمرھما یہ چند اوراق متضمّن تحقیق معانیٔ کلماتِ کلمہ لکھ کر نام اس کا 'کلمۃ الحق' رکھا، تکلّف برطرف، مطلب صاف ہے، تکلّفِ استدلال معاف ہے۔"

آپ کا وصال ۱۳۱۴ھ میں ہوا۔ مدفن اندرون احاطہ آستانۂ مخدوم اللّٰہی کڈپہ ہے۔ جو آماجگاہِ زائرین بنا ہوا ہے۔

اس مشہور آستانہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت محترم خواجہ سید شاہ امین اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری مدظلّہ العالی ہیں۔

حضرت مقبل میسوری

آپ کا اسم گرامی حضرت سید فقیر محی الدین بادشاہ بخاری قادری اور تخلّص مُقبل تھا۔ آپ نے اپنے تخلص کے تعلق سے بہت ہی نکتہ رسی کی بات کہی ہے۔

ذیلِ غم، روئے فلق، فرقِ بکا، قلبِ الم — انھیں حرفوں سے مرکب ہے تخلّص اپنا

آپ کی ولادت قصبۂ محلّ میں جو اس وقت علاقۂ کڈپہ میں شامل تھا اور آج ضلع چتور میں داخل ہے، ۱۲۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی نشو و نما محلؔ ہی میں آپ کے والدِ ماجد حضرت اکملؔ کی آغوشِ تربیت میں ہوئی اور والد کے رخصت ہو جانے کے بعد بھائی شاہ افضلؔ (متوفی ۱۳۱۰ھ) جو آپ سے بارہ سال بڑے تھے، آپ کے والی و سرپرست بن گئے۔ بقول محمد سخاوت مرزا ' ابھی آپ (شاہ مقبل) پندرہ سولہ سال کے تھے کہ والدِ ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بڑے بھائی شاہ افضلؔ کے ہاتھوں تعلیم و تربیت پائی۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا اور انھیں کے مبارک ہاتھوں سے خرقۂ خلافت پہنا۔ع۶ ۔ تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض خاندانی وجوہ کی بنا پر شاہ افضلؔ اپنے بھائی شاہ مقبلؔ کو ساتھ لے کر میسور چلا گئے ع۷ جہاں آپ کے جدِّ امجد حضرت شاہ کمالؔ کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ (شاہ کمالؔ سلطان ٹیپو شہیدؒ (۱۲۱۳ھ) کی دعوت پر سری رنگ پٹن تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ قیام پذیر رہے جس کے سبب کثیر تعداد میں لوگ آپ کے معتقد و مسترشد ہو گئے تھے) میسور میں کئی سال رہنے کے بعد شاہ افضلؔ اپنے بھانجے داماد حضرت سید قادر بادشاہ عبدؔ کے راہیِ ملکِ عدم ہونے کی خبر سن کر ۱۳۰۰ھ میں کڈپہ تشریف لائے اور یہیں پیوندِ خاک ہو گئے۔ مگر شاہ مقبلؔ نے میسور ہی میں توطن اختیار کر لیا اور وہیں زندگی بھر تبلیغ و اشاعت اور رشد و ہدایت کا کام سرانجام دیتے ہوئے پچاسی سال کی عمر میں ۱۳۴۶ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ چوں کہ آپ کا زیادہ تعلق میسور سے رہا ہے اور علاقۂ کڈپہ سے کم۔ اس لیے دیگر تفصیلات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف آپ کی نظم و نثر کے چند نمونوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

متفرق اشعار:

کرتا ہوں غمِ نبیؐ کی نعمت
ہر روز مزے اڑا رہا ہوں

صیاد کا خطرہ نہ مجھے بیم دام کا
باغِ زمیں پہ بلبلِ رنگ پریدہ ہوں

آیا کبھی جو بھول کے رستہ وہ گل ادھر
تیوری چڑھائی پھول کے بدلے مزار پر

- پھینکتا توڑ کے دیوانہ ترا پاؤں سے — شک نہ ہوتا تری زلفوں کا جو زنجیروں پہ
- دہنِ زخمِ دل اس گل نے جو دیکھا مقبل
ہنس کے بولا کہ پڑا ہے گلِ تر میں سوراخ غ ۶۸

شاہ مقبل صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ نے اپنا دیوان خود ہی ترتیب دیا تھا۔ جو ابھی تک غالباً کسی "مردِ غیب" کا منتظر ہے۔ آپ کی ایک نظم مسدس "سراپائے رسولؐ" بے حد مقبول ہوئی۔ جس کے ستہتر بند ہیں اور جو ۱۹۱۷ء میں مطبع فخر المطابع، لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ یہاں چند متفرق بند درج کیے جاتے ہیں: ۷۵

کیوں نہ بے ظل ہو بھلا قامتِ محبوبِ خدا — نورِ اقدس ہے فقط صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
سایہ پیدا نہ کیا جانِ جہاں حضرت کا — کیونکہ ثابت ہو دوئی غیر نہ ہو جب اصلا
شکلِ محبوب سے عاشق ہے ہویدا دیکھو
حضرتِ عشق کی غیرت کا تقاضا دیکھو

فکرِ غوّاص ہے دریا مری طبعِ موزوں — اس کو کیونکر نہ ملیں دُرِّ یتیمِ مضموں
درجِ تمثیل میں لے جوہری بہر رکھوں — صدفِ قلزمِ وَالنَّجم کے دُرِ مکنوں
سلکِ دنداں ہے کہ دندانۂ سین یٰسٓ
یا درخشندہ ہیں یہ انجمِ چرخِ طٰسٓ

قدرتِ حق کا دکھاتا ہوں تماشا دیکھو — چہرے میں کثرت و وحدت کا ہے جلوا دیکھو
منہ تو ہے ایک مگر اس میں ہے کیا کیا دیکھو — بینی و چشم و لب و ابروِ زیبا دیکھو
سر بہ سر دیکھو تو کثرت ہے عیاں وحدت میں
سچ اگر پوچھو تو وحدت ہے نہاں کثرت میں

شق کیا آپؐ نے انگلی سے فلک پر جو قمر — ہوئے انگشت بہ لب دیکھ کے سب پیغمبر
دستِ روشن پہ پڑی حضرتِ موسیٰ کی نظر — یدِ بیضا کو چھپا لینے لگے شرما کر
دستِ مخلوق کو اس ہاتھ سے لگّا کیا ہے
یدِ بیضا کو یداللہ سے دعویٰ کیا ہے

مقبلؔ اب یہ دل سوداز دہ رکھتا ہے رجا   گرم بازار ہو جب حشر کا فرمائے خدا
یہ سراپا مرے محبوب کا ہے بیش بہا   مول واللہ نہیں ساری خدائی جس کا
نقد رحمت کا لے گنجینہ یہ حلیہ ہمیں دے
عوضِ دولتِ دیدار، سراپا ہمیں دے

آپ کی شاعری نازک خیالی، جوش اور جذبہ کی شاعری ہے، زبان وبیان کی حلاوت ایک طرف کانوں میں رس گھولتی ہے تو یہ شکوہ الفاظ کی گھن گرج ذہن ودل کو مرغوب ومسخر کرلیتی ہے۔ آپ کو شاعری میں حضرت افضلؔ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا استاذ نے آپ کے ابتدائی کلام کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "مقبلؔ کا کلام آیندہ چل کر اس قابل ہوگا کہ موتیوں میں تولا جائے گا" ؏۷۹

شاہ مقبلؔ کی ایک کتاب "گلدستۂ معارف" جو اکتیس ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۱۵ھ میں تصنیف کی گئی ہے۔ آستانۂ شہمیریہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ مذکورہ کتاب سے نثری نمونہ ملاحظہ ہو:-

" امابعد جاننا چاہیے کہ یہ موردِ قصور وقاصر سید فقیر محی الدین مقبلؔ چشتی قادری عفی عنہ نے واسطے افاضت وافادتِ طلاب کے چاہنے سے چند احباب کے تھوڑا بیان تصوف کے مسائل کا لکھا "گلدستۂ معارف" نام اس کا رکھا، اگر سہو ونسیان سے اس میں کہیں غلطی وقوع میں آوے، ہر محقق ناظر سے یہ توقع ہے کہ عیب پوشی کرکے لعنت سے باز رہے یا اصلاح فرماوے ...."

حضرت شہمیر (ثالث) کڈپہ

حضرت سید شاہ عبدالحق بخاری قادری المعروف بہ شہمیر بادشاہ فرزند حضرت عبد کڈپوی (متوفی ۱۳۰۰ھ) ونبیرہ حضرت شاہ جمال ثانی کڈپوی (متوفی ۱۲۶۴ھ) عالم وفاضل اور عابد وزاہد شخصیت کے مالک تھے۔ آپ علم شریعت کے حامل اور علم تصوف میں کامل بزرگ تھے۔ ابتداً تعلیم وتعلم کا سلسلہ والدِ ماجد کی وفاتِ حسرت آیات تک انہیں کے سایۂ عاطفت میں جاری رہا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف صرف

تیرہ ۱۳ برس کی تھی۔ بعد ازاں جب حضرت شاہ افضل (متوفی ۱۳۱۰ھ) آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے بنگلور سے کڈپہ تشریف لے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تو تعلیم و تدریس کا مشغلہ نہ صرف دوبارہ جاری ہو گیا بلکہ تیزی سے منازلِ آگہی طے کرنے لگا۔ چناں چہ آپ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام علوم متداولہ سے بہرہ مند ہو گئے، حتیٰ کہ آپ نے حضرت حکیم حاذق مولانا سید حسین صاحب عرف سید صاحب (۱۲۳۸ھ۔ ۱۳۲۷ھ) سے بھی علمِ طب میں کمال حاصل کیا۔ آپ کو خوش نویسی سے بھی رغبت تھی، لہٰذا آپ نے اپنے اجداد کی کتابیں نقل کیں، حضرت شاہ افضلؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہنے سے پیشتر ۱۳۰۹ھ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا، آپ نے دنیا کے سرد و گرم دیکھے، تنگ دستی میں صبر کیا اور فراغ حالی میں خدا کا شکر بجالایا۔ آپ نے اپنے وصیت نامے میں جو ۱۳۵۲ھ میں تحریر کیا گیا تھا اپنے نورِ نظر (حضرت سید قادر علی بادشاہ شہمیری مدظلہ العالی) کو طویل و مأثر نصیحت فرمائی تھی۔ اس کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ آپ کے علمی و ادبی مقام کے تعین میں مدد مل سکے۔

"اے فرزندِ ارجمند خدائے تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ ہمارے آبا و اجداد نے ہمارے لئے کوئی جاگیر اور کوئی میراث یا کوئی منصب دنیوی نہیں چھوڑا، لیکن باطنی میراث چھوڑ گئے ہیں اور وہ معرفتِ حق تعالیٰ ہے تو اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کو حاصل کریں ورنہ ہم کیا ہیں صرف ایک حیوانِ ناطق ہیں .... اپنے اور پرائے پر کبھی بھروسہ نہ کرو، صرف اپنے خالق اور رزّاق پر کامل یقین اور بھروسہ رکھو اور سچّے اخلاص کے ساتھ حضرت پیر و مرشد نانا صاحب قبلہ (شاہ افضلؒ) کے بتائے ہوئے اوراد کو ہمیشہ پڑھا کرو اور جو کچھ مانگنا ہے اپنے خالق سے مانگو۔ بفضلِ خدائے عزّ و علاّ و بہ طفیل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وسلم ابداً یقیناً کسی کے محتاج نہیں رہو گے اور خلق اللہ سے ضرور بے پروا ہو جاؤ گے۔"^{۸۰}

بہر حال آپ اپنے عہد کے شیخ طریقت، مبلّغ و مُصلح اور مشہور شاعر و ادیب تھے۔

طبیعت کی موزونی، ذہن کی طبّاعی اور ذوقِ سلیم کی فطری رہنمائی نے آپ کو اپنے دور کے قابلِ ذکر شعراء میں ممتاز مقام بخشا تھا، تاہم آپ اپنے نانا، مشفق استاذ اور پیر و مرشد حضرت شاہ افضل کی خدمت میں اپنا کلام پیش کرتے اور اصلاح لیتے تھے، آپ کی شاعری اپنے آباء و اجداد کی طرح خاص رنگِ تصوف میں ڈوبی ہوئی پہاڑی ندی کی مانند دلوں میں اپنا راستہ بناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ حضرت شہمیر کی شاعری کا سکہ عشقِ حقیقی و حبِّ نبوی کی ٹکسال میں ڈھل کر رائج الوقت بن گیا تھا۔ چناں چہ آپ کا دیوان سنہ ۱۳۲۸ھ میں پہلی بار طبع ہوا اور حسبِ توقع ہاتھوں ہاتھ لیا بھی گیا، بعد ازاں وہی "دیوان شاہمیر" اضافہ کے ساتھ جو کہ تقریباً ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل دو سو سولہ صفحات پہ محیط عمدہ کاغذ اور نفیس طباعت سے آراستہ تھا سنہ ۱۳۶۹ھ میں شائع ہوا۔ اس دیوان کا پیش لفظ خود حضرت شہمیرؒ (ثالث) کے فرزند ارجمند نے تحریر فرمایا تھا تعارف نامہ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ تھا اور مؤلفِ "شہمیری اولیاء" حضرت حکیم محمود بخاری مدظلہ نے حضرت شہمیر کی سوانح تحریر کی تھی، الغرض دوسرا ایڈیشن بھی بہت جلد ختم ہو گیا اور ایک مدت سے ہنوز تشنگی و طلب باقی ہے۔
مذکورہ دیوان میں سے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:۔

خود اَنتَ اَنَا اس کے لیے حق نے کہا ہے	کیا مرتبہ شاہِ رسلؐ صلِّ علیٰ ہے
از روئے وجودی احد احمد کو نہ کہنا	یہ قول تو ایک ظلم ہے اور سخت جفا ہے
کچھ رتبہ احمدؐ وہی سمجھا ہے کہ جس نے	قرآن میں "مَا کَانَ مُحَمَّدٌ" کو پڑھا ہے
برق اور ستاروں کی یہاں کیا ہے حقیقت	لاریب ہلال آپ کا اک ناخن پا ہے
خورشید پر انوار کو اے مہر نبوّت	تشبیہ جو دوں تیرے کف پا سے خطا ہے

• شہرِ وحدت سے تماشے کے لئے شاہِ ازل
ابھی تو آیا ہے کثرت کے یہ ویرانے میں

آب و تابِ دُر دندانِ نبیؐ صلِّ علے
نہ زمردیں نہ ہیرے میں نہ دردانے میں

میری تقدیر کا لکھا ہوا قصہ سن لو
لطف ایسا نہ ملے گا کسی افسانے میں

- نہیں اکسیر سے کم خاک میری بعد مردن بھی !
تمہاری آتشِ غم میں جلا ہوں یا رسول اللہ
تمہارے آستاں سے اٹھ کے اب جا نہیں سکتا
تمہارا ہوں، بُرا ہوں یا بھلا ہوں یا رسول اللہ

- سب ہیں بینا، نہیں کوئی بھی بینا اپنا — بے بصر جیتے ہیں کس کام کا جینا اپنا
- نذر دینے کے لئے نقدِ دل وجان لے کر — تیرے دربار میں شہ میر یہ ارمان آیا
- آئے تھے ہم عدم سے جاتے ہیں پھر فنا میں — شہ میر پوچھتے ہیں، کیوں آکے جا رہے ہیں
- مرنے کا کسی طرح نہیں خوف اے شہمیر — خوش خوش ہی چلے جائیں گے ہم اپنے وطن کو
- کہیں "شہ" وہ جاتا ہے شہمیر دیکھو — کوئی جا کے جلدی بلانا، بلانا
- طالع ہیں اوج پر مرے اے شاہ میر آج
خود یار آکے گھر مرے مہمان ہو گیا

آپ کا تخلص شاہ میر تھا جیسا کہ مذکورہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے اور یہ تخلص آپ کے پیر و مرشد کا عطا کیا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے مرشد کی تعریف اس طرح کی ہے۔ ؎

پیر افضل کا جو دل سے خادم بنا — وہ تو ہر جائے میں حق کو پا نار ہا

حضرت شہمیر کے دل میں اشاعتِ حق، اصلاحِ معاشرت اور قوم کی تعلیم و تربیت کا جذبہ موجزن تھا۔ اسی لیے آپ نے تکمیلِ مقصد کی خاطر نہ صرف نظم بلکہ نثر کا بھی خوب استعمال فرمایا۔ چنانچہ کئی کتابیں آپ کی نوکِ قلم سے معرض وجود میں آئیں جس سے لکھو کا انسانوں کو نورِ عرفان و تجدید ایقان نصیب ہوا اور سادہ لوح مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی کے ساتھ گامزن رہنا سہل ہو گیا۔ جیسا کہ آپ کی معرکہ آرا تصنیف "حقیقتِ محمدیہ" کے مطالعہ سے روشن ہوتا ہے۔ یہ کتاب جو

چار ابواب "حقیقت محمدیہ"، "ہدیۂ صوفیہ"، "گلدستۂ نعتیہ" اور "فتاویٰ علمائے سُنیّہ" پر مشتمل ہے، علم کلام اور عرفان تام میں اپنے طرز کی عمدہ کتاب ہے۔ دو سو بیس[۲۲۰] صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۳۴۵ھ میں مطبع فردوسی، مدراس میں طبع ہوئی ہے۔

آپ کی دیگر تصانیف میں "فضائل توبہ" ہے جو رائل سائز کے باون[۵۲] صفحات پر محیط ہے اور مطبع فردوسی مدراس سے شائع ہوئی ہے۔ جس میں سن اشاعت درج نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کی ایک اور کتاب "گلدستۂ اشرف العالمین" درود شریف کے فضائل و مسائل میں تحریر کی گئی ہے اور یہ ۱۳۲۲ھ میں مطبع نامی مدراس سے چھپی ہے۔ اس کے جملہ صفحات چوالیس[۴۴] ہیں۔ آپ نے اپنے لختِ جگر نورِ نظر کی ابتدائی تعلیم کے لیے ایک رسالہ مسمّٰی "نصابِ نصیحت" ارقام فرمایا تھا۔ جس میں اطفال کے لیے پند و نصیحت ہے۔ اسّی[۸۰] صفحات کا یہ رسالہ مطبع فردوسی، مدراس سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے قرآنیات پر مشتمل تنیتس[۳۲] صفحات کا مختصر رسالہ "منازلِ مصحف" کے نام سے رقم فرمایا ہے جس میں اپنے مرشد حضرت افضل کا رسالہ "روحِ تجوید" بھی شامل ہے۔ یہ کتابچہ مطبع نامی مدراس سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہو کر کافی مقبول ہوا ہے۔ بہر حال آپ کی تمام زندگی اسلاف کا نمونہ اور اخلاف کے لیے ہدایت کا خزینہ تھی۔ آپ کی اولاد میں بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شاہ قادر علی بادشاہ شہمیری قادری مدظلہ العالی بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں۔

آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح شاعری سے شغف رکھتے ہیں اور قادر تخلص فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنے والدِ بزرگوار کے انتقالِ پُر ملال (۳۱ رمضان شریف ۱۳۵۴ھ بروز شنبہ) کے موقع پر ایک تاریخی قطعہ کہا تھا جو مسجد شہمیریہ کے روبرو واقع حضرت شہمیر (ثالث) کے مزار شریف کے لوح پر کندہ ہے۔ ملاحظہ کے لیے ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

واقفِ سرّ باطن و ظاہر | پاک و پاکیزہ طیّب و طاہر
سالک مسلکِ رسولؐ انام | عالمِ دیں، حدیث کے ماہر

عارفِ منزلِ سلوک و حضور　　دین و آلِ رسولؐ کے ناصر
ہر بلا پر تھے شکر کے سجدے　　اللہ اللہ وہ صابر و شاکر
سچ تو یہ ہے وہ حق شناس تھی ذات　　کیا کوئی مدح کر سکے شاعر

سالِ ترحیلِ حضرتِ شہمیر
"مظہرِ معرفت" کہو قادر
۱۹۵۵ء

حضرت شاہ قادر کی نرینہ اولاد میں چار صاحب زادے ہیں۔ اول عالی جناب حکیم حضرت سید شاہ عبدالحق شہمیری، دوم عالی جناب سید شاہ حسینی بادشاہ شہمیری ایم اے، ایم فل، سوم حضرت سید شاہ احمد پیر شہمیری رشادی ایم اے، اور چہارم عزیز القدر سید اجمل قادری عرف شہمیر بادشاہ مد اللہ ظلالہم۔

حضرت عُریاںؔ کڈپوی

اسم گرامی غلام غوث خان سوائی عریاں کڈپوی، ولد جناب شاہ عالم خان سوائی افغان قبیلوں میں سے ایک مشہور و معروف قبیلہ سوائی سے آپ کا تعلق تھا۔ آپ کڈپہ کے متوطن تھے۔ تجارت آپ کا آبائی پیشہ تھا۔ آپ کے فرزند جناب شاہ عالم خان مسلم لیگ کے لیڈر تھے اور حلقۂ کڈپہ سے مدراس اسمبلی کے لیے بحیثیتِ رکن (M.L.A) اس وقت منتخب ہوئے تھے جب کہ لسانی بنیاد پر صوبوں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی اور کڈپہ بدستور صوبۂ مدراس کا حصہ تھا، آپ کو شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا۔ کڈپہ کا علمی و ادبی ماحول آپ کے شوق کے لیے مہمیز کا کام دیا، اس وقت محلہ نبی کوٹ تمام شہر میں علمی و ادبی مرکز کی حیثیت سے ممتاز تھا۔ جہاں علمی و ادبی محفلیں سجتی تھیں مشاعرے منعقد ہوتے تھے، عریاں کڈپوی بڑے ہی ذوق و شوق سے ان محفلوں میں شریک ہوتے اور اہلِ علم سے استفادہ کرتے رہے۔ مگر آپ کے جوہر اس وقت کھلے اور شاعری کو جلا نصیب ہوئی جب کہ آپ تجارتی اغراض کے تحت مدراس میں سکونت اختیار کرلی تھی اور یہیں آپ نے نواب عبدالرؤف خان بہادر پرتو مدراسی (متوفی

۱۹۲۶ء) تلمیذِ شریف الشعراء شریفؔ مدراسی (متوفی ۱۳۲۲ھ) کی شاگردی اختیار کی۔ افسوس کہ آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات کا علم نہ ہو سکا۔ عریاںؔ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کا دیوان ۱۳۰۵ھ میں مطبع نظام المطابع مدراس سے شائع ہوا تھا دیوان کے اختتام پر جن شعرائے مدراس کے قطعاتِ تاریخ درج ہیں ان میں حضرت ضوؔ، فصاحتؔ، تبسمؔ اور استاذ الاساتذہ حضرت شریفؔ مدراسی قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت شریفؔ مدراسی کا قطعہ بہت ہی بلیغ ہے جس میں آپ نے اپنے شاگرد ذریہ توؔ اور اُن کے شاگرد (عریاںؔ) دونوں کی طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:۔ ؎

نظمِ عریاںؔ پرتو است شریفؔ — وجہِ حسنِ اساسِ عریانی
جامہ زیبی بنامۂ عریاں — میکند اقتباسِ عریانی
میدہد سال جلوۂ نیرنگ — پیشِ حسنِ قیاسِ عریانی

سخن بیزوال می زیبد
بطرازِ لباسِ عریانی

۱۳ ھ ۰۵

عریاںؔ کی شاعری میں رعایتِ لفظی، محاورہ بندی جا بجا نظر آتی ہے مضمون آفرینی اور تہہ داری بہت ہی کم ہے، تمام شاعری عشقِ مجازی کی حامل ہے، لب و رخسار، زلف و کاکل، قد و قامت اور رنگ و نکہت ہی آپ کی شاعری کی کل اساس ہے لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ زبان و بیان کی بوقلمونی، سلاست و روانی اور تغزل کی چاشنی سے شاعری قابلِ توجہ ضرور بن گئی ہے۔ اشعار میں معیار کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اور تہذیب سے ساقط مضامین سے احتراز کیا گیا ہے۔ حالاں کہ تخلص کی وجہ سے بادی النظر میں یہ گمان گزرتا ہے کہ کہیں شاعری اسم با مسمّٰی نہ ہو۔ بہرحال دیوان کے چیدہ چیدہ اشعار ذیل میں رقم کئے جا رہے ہیں:۔ ؎

- مرے جوشِ جنوں سے سینہ پھٹتا ہے بیاباں کا
  مرے نالوں سے زہرہ آب ہے شمشیر نیساں کا

- پرتو افگن ہے یہ جلوہ کس رُخِ پُرنُور کا — بن گیا آئینہ انگارہ چراغِ طور کا
روزنِ دیوار کو بند اس نے جس دم کر دیا — کھل گیا منہ اور اپنے زخم کے ناسور کا
باعثِ صحرا نوردی اس کی چشمِ مست ہے — ہر پھپھولے میں ہے نقشہ دانۂ انگور کا
- ہو مقابل تیغ ابرو کے تو غیرت سے وہیں — سید ھلے قاتل ہر اک خنجر کا خم ہو جائے گا
- چھوڑ لے طائرِ دل کاکلِ پیچاں کا خیال — بیٹھے بیٹھے کہیں پابندِ سلاسل ہوگا
- دیکھ لے چاند جو اس ماہِ لقا کی صورت — شرم سے گھٹ کے بنے ناخنِ پا کی صورت
- نہیں زلفِ سیہ محبوب کے رخسار پہ لے دل
مگر کالے ہیں بہرِ پاسبانی گنجِ قاروں پر

نعتِ شریف کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :- ؎

نظر شاید پڑی ہے عارضِ پُر نور پر تیرے
نہاں ہے مدتوں سے ماہِ کنعاں یا رسول اللہ
بنایا مصحفِ رخسار کو اللہ نے آگے
کیا نازل ہے پھر تجھ پہ قرآں یا رسول اللہ
نچھوڑے گا قیامت میں کبھی دامانِ اقدس کو
کہاں جائے گا پھر یہ عبدِ عریاں یا رسول اللہ

اپنے استاذِ محترم کا ذکرِ خیر دیوان کے آخر میں اس طرح کیا ہے : ؎

نہ اترائے کیوں فیضِ پرتو سے عریاں — کہ قابل ہوئے نکتہ داں کیسے کیسے

یہاں حضرت عریاں کی نثر کا نمونہ آپ کے ایک خط کے حوالے سے دیا جا رہا ہے۔ جو 26 فروری سنہ 1925ء کو مدراس سے حضرت مولانا ذوالفقار علی خاں ضیا کے نام تحریر کیا گیا تھا:-

"محبی و مخلصی جناب مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب زاد لطفہٗ

تسلیم۔ مزاجِ مبارک؟ آپ سے رخصت حاصل کر کے چلنے کے بعد پانچ روز تک بخار سے طبیعت علیل رہی اب بفضلہ تعالیٰ مزاج اچھا ہے۔ یہ خبر سن کر کہ عبدالرحمٰن خلیل نے انتقال کیا دل

کو درد اور رنج ہوا۔ چھ سات گنتی کے پرانے لوگوں میں سے جو باقی ہیں مرحوم بھی ایک تھے محلہ یونہی خالی ہوا جاتا ہے۔ افسوس ہے اُمید کہ آپ کے مکان میں جمیع خرد و کلاں اور محلہ نبی کوٹ، کڈپہ میں سب بفضلہ تعالیٰ مع الخیر و عافیت ہوں گے۔ یہاں دھوپ ایسی ہی تھی جیسی کڈپہ میں ہے۔ راتوں کو ٹھنڈ بھی رہتی ہے۔ اُمید کہ عریضۂ ہٰذا مطالعہ فرمانے کے بعد سب کی خیر و عافیت تحریر کرکے ممنون فرمائیں گے۔ یہاں سب بفضلہ تعالیٰ اچھے ہیں۔ شاہ عالم خان اور شرفو میاں کو کچھ کانجنیاں نمودہوئی ہیں بخار بھی ذرا آیا ہے۔ آپ اس نظم کو ملاحظہ فرمائیں گے جو جناب میر حیدر علی صاحب نے قصیدہ کے طور پر اپنے شاگرد باقر کے نام تحریر کرکے دیا تھا جس کو روانہ کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور اب بتوسطِ جناب مولوی حکیم سید جمال اللہ باشاہ صاحب آپ کی خدمت میں روانہ کی ہے۔ محلہ کے حالات ضرور تحریر فرمائیں۔ منتظر رہتا ہوں۔ باقی سب بخیر۔ راقم غوث خان سوائی۔

اس خط میں شاہ عالم خاں کا ذکر ہے وہ آپ کے فرزند دلبند ہیں۔ جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ دیگر اسماء کی وضاحت کے لیے یہ موقع نہیں ہے۔

حضرت ضیا کڈپوی

حضرت مولانا مولوی ذوالفقار علی خان سوریازائی (سوم) المتخلص بہ ضیا کڈپوی

فرزندِ حضرت محبوب علی خان سوریازائی شعاع عالم و فاضل اور عامل کامل بزرگ تھے۔ آپ کے جدِ امجد حضرت مولانا ذوالفقار علی خان سوریازائی (دوم) اختر کڈپوی فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کا تفصیلی تذکرہ اور دیوان کا مکمل تعارف راقم الحروف نے اپنی تصنیف ''اکتسابِ نظر'' میں کیا ہے۔ حضرت ضیا کڈپوی کے آبا و اجداد کڈپہ کے محلہ ''نبی کوٹ'' کے باشندے تھے۔ جہاں ماضی میں تشنہ گانِ علم و آگہی کی سیرابی کے لیے بہت سارے چشمے جاری تھے اور جہالت کی تاریکیوں کو رفع کرنے کے لیے حکمت و بصیرت کی شمعیں روشن ہوا کرتی تھیں۔ ہر گھر گویا ایک مکتب تھا، حضرت ضیا ابتدا اپنے دولت کدے پر ہی کسبِ علم کرنے لگے۔ بنیادی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کے والدِ محترم نے آپ کو اس وقت کے علامہ اور صوفی یگانہ حضرت مولانا علی مراد شاہ افضل کڈپوی متوفی سنہ ۱۳۱۰ھ کی خدمت

اقدس میں اعلیٰ تعلیم کے لیے پہونچا دیا۔ کاشانۂ شاہ افضل "نبی کوٹ" ہی میں تھا۔ یہ بیک وقت درسگاہ و خانقاہ اور دار الشوریٰ و دار القضا کی حیثیت سے مشہور تھا۔ حضرت ضیاؔ اپنے استاذ سے علم ظاہری کی تکمیل کے بعد علم باطنی کے حصول میں جٹ گئے چنانچہ آپ نے شاہ افضل کے دست حق پرست پر بیعت کی، حضرت افضل کی درسگاہ میں آپ کے شریک جماعت حضرت سید شاہ عبد الحق بخاری قادری (تشہیر ثالث) (متوفی سنہ ۱۳۵۴ھ) اور حضرت سید شاہ نذر اللہ باشاہ بخاری قادری اجمل (متوفی سنہ ھ) تھے علاوہ ازیں شہر کے قاضی القضاۃ حضرت سید مصطفےٰ حسین صاحب قدس سرہٗ (متوفی سنہ 1925ء) اور حکیم سید حسین عرف سید صاحبؒ (متوفی سنہ 1915ء) سے بھی آپ کے گہرے مراسم تھے۔ ان دونوں حضرات کے وصال پر حضرت ضیاؔ نے بہت ہی مؤثر مرثیے تحریر فرمائے تھے جو نسخۂ دیوانِ اختر میں محفوظ ہیں۔ یہ مخطوطہ آپ کی خوش نویسی کا حسین تحفہ ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ آپ کے جدّ امجد حضرت اختر کڈپوی کا اردو کلام دستیاب نہ ہو سکا، البتہ آپ کے والد بزرگوار حضرت شعاعؔ کے چند اشعار آپ کی بیاضوں میں پائے گئے ہیں جنہیں ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ ؎

آفریں وہ چہرۂ گلنار کو	زلف کو اور زلف کے ہر تار کو
محمد ﷺ کے خاکِ قدم کی نشانی	بنفشہ میں، لالہ میں نرگس نین میں
میں دو چیز میں ساری خدائی کو دیکھا	محمد ﷺ میں احمد ﷺ میں اور ذوالمنن میں
ہے محفل میں حضرت کے یکتا شعاعؔ تو	سخن میں سخن میں سخن میں سخن میں

حضرت ضیاؔ نے اپنے باپ، دادا کے شاعر ہونے کی طرف قصیدۂ اختر کے اک شعر میں اشارہ کیا ہے: ؎

نورِ اختر سے اقتباسِ شعاعؔ	پھر طفیلِ شعاع سے یہ ضیاؔ

ایک اور شعر میں آپ نے اپنے استادِ محترم کا ذکر اپنی نعت میں مصرعۂ شاہ افضل پہ گرہ لگاتے کیا ہے: ؎

مصرعۂ افضلِ استاذ ہوا مجھ کو پسند	آزماتا ہے خدا نیکوں کو اکثر کیا کیا

اسی زمین کے چند اشعار اس طرح ہیں :۔ ؎

نعتِ سرورؐ کے مرے دل میں ہی جو ہر کیا کیا — مشتری دیکھیں کہاں مایۂ اظہر کیا کیا

نقش پائی ہیں مرا شعر ہے ہر اک معمور — دیکھیں اب حیرتِ آئینہ سکندر کیا کیا

فقر کے گوشے میں اللہ ری قناعت بولوں — باندھتے تھے شکم پاک پہ پتھر کیا کیا

آپ کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ بصورتِ مخطوطہ آپ کے پڑپوتے عزیز القدر۔ ذوالفقار علی خان (چہارم) کے کتب خانے میں محفوظ ہے ۔ یہ نسخہ راقم کی نظر سے گزر چکا ہے جو ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے پر ۱۲ سطریں اور کتاب رائل سائز میں ہے ۔ ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے :۔ ؎

یہی ہے مطلع دیواں مری روئے صفائی کا

سراپا نقش ہے ہر ہر ورق حمدِ خدائی کا

اختتامی شعر یہ ہے :۔ ؎

دنیا ہے ایک ساعت مثل شعاعِ ضیا تم

اپنے ہی بوریے پہ کرتے رہو گزارا

دیگر متفرق اشعار ملاحظہ ہوں :۔ ؎

- سینہ صدف کا موج گہر سے ہوا شگاف — میری زبان اور یہ گفتار دیکھ کر
- قطرے کا ذکر کیا کروں دریا کے سامنے — یوسف کا حسن اور ہے نِعْمَ الحسینِ الگ
- طرزِ زمانہ دیکھ میں حیران ہوں کہ آ ضیا — جوڑا تو نقد ہے پہ مہر اب ادھار ہے

الغرض مذکورہ نمونوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شاعری وارداتِ قلب کی عکاس ہے ۔ صاف ستھری ہے ، معنی آفرینی کی کوشش نہیں کی گئی ہے ۔ نعتوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارفتگی کا پتہ ملتا ہے ۔

جناب ادیب کڈپوی

اسمِ گرامی لعل خان ولد جان خان اور تخلص ادیب تھا ۔ آپ کے والدِ بزرگوار دوڈ بالاپور (بنگلور) کے باشندے تھے ۔ محکمۂ پولیس میں داروغہ تھے ۔ جان خان نے بعض

خانگی وجوہ کی بناء پر وطنِ عزیز کو خیر باد کہا اور مدن پلّی (ضلع چتور، آندھرا) چلے آئے
آپ کا قیام ایک عرصہ تک مدنپلی میں رہا پھر وہاں سے بھی دل اکتا گیا، نوشہر کڈپہ کی
طرف رختِ سفر باندھا اور وہاں پہونچ کر مستقل سکونت اختیار کرلی۔ آخر کار
۱۹۰۵ء میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔ لعل خان ادیب ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے ابھی
زندگی کی آٹھ ہی منزلیں طے کی تھیں کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم مدنپلی
میں تحتانیہ تک تلیگو اور اردو میں ہوئی۔ بعد ازاں جب والد ماجد کے ہمراہ کڈپہ
منتقل ہوئے تو یہاں ساتویں جماعت تک انگریزی میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۰۷ء
کو کڈپہ ریزرو پولیس میں بھرتی ہوگئے۔ آپ کو بچپن ہی سے پڑھنے پڑھانے کا شوق
تھا۔ حسنِ اتفاق کہیے کہ آپ کی آرزو بر آئی، دو سال کے بعد اسی محکمہ میں پولیس ٹریننگ
اسکول میں نائب معلّم کا عہدہ مل گیا تھا پھر ایک عرصہ بعد آپ کی ترقی ہوئی ہیڈ
کانسٹبل بنادئے گئے۔ چوں کہ آپ کو ابتداء ہی سے اردو کے ساتھ لگاؤ تھا، ادباء
وشعراء کی کتابیں اور دواوین مطالعہ کرتے کرتے آخرش آپ کو شاعری کا چسکا
پیدا ہوگیا۔ آپ نے ۱۹۱۰ء سے باقاعدہ شاعری شروع کردی۔ اس دور کے مشہور
اساتذہ منظور صدیقی مدراسی، ابوالمعانی شاد پوتوی اور نامی نظامی شاہپوری سے
ربط پیدا ہوا تو مشورۂ سخن کرنے لگے۔ چوں کہ آپ ذکی، فہیم اور حسّاس طبیعت کے
مالک تھے اور فنافی الشعر ہوگئے تھے۔ لہذا اپنی محنت اور مشقت اور اساتذہ کی
کی توجہ و شفقت سے بہت جلد فارغ الاصلاح ہوگئے۔ آپ اپنے اساتذہ
بے حد احترام کرتے تھے شاید اسی لئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو بہت جلد ترقی و رفعت
کے مراحل طے کرادئے۔ آستانہ مخدوم اللہی سے آپ کو "ادیب الکلام" کے لقب
سے سرفراز کیا گیا۔ ۵ ار اگست ۱۹۵۶ء کو کل آندھرا پردیس اردو مجلس راجمندری
نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں "لعلِ سخن" کے خطاب سے نوازا۔ ۱۹۵۶ء میں
"ادیب کے تنوّ شعر" کے نام سے پاکٹ سائز کتابچہ کاشانۂ ادب نبی کوٹ کڈپہ سے
شائع ہوا۔ جس کے مرتب پروفیسر جلال صاحب ایم اے، کڈپوی تھے۔

آپ کے کلام پر مختلف اساتذہ نے اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ یہاں نمونتاً مشہور نقاد و شاعر ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کا مختصر و جامع تبصرہ نقل کیا جاتا ہے:
"لاریب کلام پر اخلاقی رنگ غالب ہے۔ تمام شعر معیاری ہیں، ضرب الامثال اور محاورات نظم کرنے کا بھی آپ کو شوق ہے۔ بہت سے شعر آپ نے اپنی زبان کی محبت میں سرشار ہو کر کہے ہیں جو ہر طرح قابلِ تعریف ہیں"[85] معروف محقق نصیر الدین ہاشمی نے اس طرح اظہارِ خیال فرمایا: "آپ کا کلام پاکیزہ اور اسلوب قابلِ توصیف ہے"[86] اب یہاں آپ کے منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ مذکورہ آراء کی توثیق ہو سکے۔ ؎

نمایاں ہیں عجب نیرنگیاں خالق کی صورت میں
کسی صورت نہیں ملتی ہے صورت اور صورت میں

ادیب ادیب نہیں خادمِ ادب ہے ادیب
اسی سبب سے وہ مشہور ہے زمانے میں

معمہ یہ ادیب اب تک سمجھ ہی میں نہیں آیا
ہے کیوں مجھ کو لگاؤ ان سے، ان کو مجھ سے بیزاری

نہ کیجئے منفعل اے بندہ پرور اشک شوئی سے
مری گردن پہ احساں آپ کا ہے سابقہ بھاری

دیکھو مجھے عیسیٰ مرضِ سِل تو نہیں ہے
سینے میں مرے سنگ ہے یہ دل تو نہیں ہے

عذر ہے حیلہ ہے حوالہ ہے
دال میں کچھ ضرور کالا ہے

کھانسی کیا ہے گلے کی پھانسی ہے
موت کی یہ بھی اک نشانی ہے

بہر حال حضرت لعل خان ادیب کڈپہ کی ادبی تاریخ میں اپنا مقام بنانے کے بعد سنہ ۱۹۶۱ء میں اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ آپ کی نرینہ اولاد میں جناب ظفر احمد خان مالکِ بمبئی فوٹو اسٹڈیو بقیدِ حیات ہیں۔

الحمد للہ والمنۃ "کڈپہ میں اردو" کا حصۂ اول ختم ہوا۔ راقم الحروف ان تمام اصحابِ علم و فضل و اربابِ ظرف و دل کا تہِ دل سے شکر گزار ہے جن کے مخلصانہ تعاون ہی کی وجہ سے یہ تذکرۂ اردو منظرِ عام پر آ سکا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء بحق سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً و بحق آلہ واصحابہ اجمعین الطیبین الطاہرین والحمد للہ رب العالمین۔

تمت بالخیر ٥

حوالہ جات

ع۱ہ تاریخ گولکنڈہ ص ۱۹۹، ع۲ہ ص ۲۰۹ از عبدالمجید صدیقی ۱۹۶۴ء ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد

ع۳ہ میکنزے رکاڈس ۱۴۵، ص۲۷ اورینٹل میانسکرپٹ لائبریری۔ مدراس

ع۴ہ سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے ص۱۴۵ ڈاکٹر حسینی شاہد ۱۹۷۳ء انجمن ترقی اردو آندھرا

ع۵ہ تذکرہ اردو مخطوطات ج:۱: ص:۲۱۸، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ۱۹۸۴ء ترقی اردو بیورو دہلی

ع۶ہ تذکرۃ الاعراس، شیخ محمد نجیب قادری المخاطب بہ محمد نجیب خان متوفی ۱۱۶۲ھ (مخطوطہ سن کتابت سنہ ۱۲۶۷ھ)

ع۷ہ مقدمۂ دیوانِ قربی: ص ۱۵۔ پروفیسر سید محمد فضل اللہ: ۱۹۶۴ء اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد

ع۸ہ فریدۂ زبدہ شرح قصیدۂ بردہ: حسن علی خان ابن مفتی محمد علی خان: ۱۲۸۶ھ مدراس

ع۹ہ ترجمہ قصیدہ بردہ: محمد ابن رضا: مخطوطہ: سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد

ع۱۰ہ یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص: 392 تا 394: نصیر الدین ہاشمی ۱۳۵۰ھ / 1932ء شمس المطابع۔ حیدرآباد۔

ع۱۱ہ اثرِ اعتقاد: امام محی الدین خان حامی، حیدرآبادی: ص 18: مخطوطہ سنہ ۱۲۷۷ھ مخزونہ کتب خانۂ شہیریہ، آستانۂ شہیری۔ کڈپہ

ع۱۲ہ میکنزے رکاڈس: ج 145۔ ص: 162: اورینٹل میانسکرپٹ لائبریری۔ مدراس

ع۱۳ہ یورپ میں دکھنی مخطوطات: نصیر الدین ہاشمی: ص 395، 400 سنہ ۱۳۵۰ھ

ع۱۴ہ بحوالۂ شہیری اولیاء از حکیم محمود بخاری صاحب: ص 38، سنہ 1958ء بزمِ آستانۂ شہیریہ۔ کڈپہ

ع۱۵ہ اثرِ اعتقاد ص ۱۶۔ مخطوطہ

ع۱۶ہ نوائے ادب بمبئی۔ شمارہ اپریل 1953ء (قسطِ اول)

ع۱۷ہ مکتوبات: جناب درویش احمد خان صوفی شہیری: ۱۹ ارشعبان سنہ ۱۳۹۸ھ حیدرآباد۔ دکن

ع۱۸ہ، ع۱۹ہ اردو ادب میں مہدویوں کا حصہ سید نصرت مہدی یداللّٰہی ص ۱۱۹

مطبوعہ سنہ 1984ء۔ اعجاز پرنٹنگس۔ حیدرآباد۔ دکن۔

ع۲۰ خاتم سلیمانی (جلد اول) حضرت ملک سلیمان گجراتی۔ سنہ 1185ھ تا 1230ھ مخطوطہ مخزونہ سید نصرت مہدی فتح باب خاں بازار۔ چنچل گوڑہ، حیدرآباد

ع۲۱ تذکرۃ البلاد والحکام: منشی میر حسین علی کرمانی حاکم ولد سید عبدالقادر کرمانی 1215ھ۔ مخطوطہ مخزونہ سالار جنگ لائبریری۔ حیدرآباد۔

ع۲۲ اردو ادب میں مہدویوں کا حصہ، ص: 120 (حاشیہ)

ع۲۳ مخطوطات انجمن ترقی اردو، کراچی۔ پاکستان: افسر صدیقی امروہوی

ع۲۴ جنوبی ہند کا بہترین ادب ۱۔ نصیرالدین ہاشمی 1958ء۔ ادب پبلی کیشنز۔ بنگلور

ع۲۵ اکتساب نظر۔ راہی فدائی، ص: 54، سنہ 1991ء۔ ابوالحسان اکاڈمی۔ کڈپہ

ع۲۶، ع۲۷ یورپ میں دکنی مخطوطات ص: 120، ص 135 (حاشیہ)

ع۲۸ اکتساب نظر۔ راہی فدائی۔ ص: 14

ع۲۹ میکنزے رکاڈس: جلد 149۔ ص: 34

ع۳۰ اکتساب نظر، ص: 23، ع۳۱ اکتساب نظر، ص: 7

ع۳۲ نوائے ادب بمبئی ماہ اپریل سنہ 1953ء، ع۳۳: مضمون سید محمد حسینی الملقب بہ شاہمیر، رائچوٹی۔ از محمد سخاوت مرزا۔ ایضاً

ع۳۴ تذکرۂ اردو مخطوطات: ص: 150۔ مطبوعہ سنہ 1984ء

ع۳۵ نوائے ادب بمبئی: جولائی: مضمون سید محمد حسینی ؟

ع۳۶ رسالہ انتباہ الطالبین: حضرت شاہ میراں اول، مخطوطہ: مخزونہ ابوالحسان اکاڈمی۔ کڈپہ۔

ع۳۷ میکنزے رکاڈس: ج 162: مخطوطہ

ع۳۸ مخطوطہ تذکرۃ البلاد والحکام از میر حسن علی کرمانی مرتبہ سنہ ۱۲۲۵ھ

ع۳۹ یورپ میں دکنی مخطوطات: ص: 391

ع۴۰ کتابیات اردو مثنوی: از ڈاکٹر فہمیدہ بیگم: ۸۱-۱۹۸۰ء صفحہ بنگلور یونیورسٹی بنگلور
ع۴۱ اثر اعتقاد ص: ۱۴، ع۴۲ ایضاً ص: ۱۴، ع۴۳ ایضاً ص: ۱۳۔
ع۴۴ مجدد جنوب حضرت قطبؒ دیلور از مولوی حافظ بشیر الحق قریشی، ص: ۴۵
مطبوعہ ۱۹۸۹ء حضرت مکان۔ ویلور
ع۴۵ شہیری اولیاء: ص: ۱۵۱
ع۴۶ تاریخ ادبِ اردو: ڈاکٹر جمیل جالبی: ج دوم، حصہ دوم: ص: ۱۰۰۹
مطبوعہ 1986ء ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز۔ دہلی ع۶
ع۴۷ ارشادِ نوریہ، حضرت سید شاہ نوراللہ حسینی نورؔ۔ مخزونہ کتب خانہ شہیریہ
ع۴۸ ع۴۹ تجلّیٔ انوار۔ (مخطوطۂ تصوّف نمبر ۱۸۰۰) از حضرت سید شاہ نوراللہ حسینی نورؔ۔ مخزونہ کتب خانۂ آصفیہ۔ حیدر آباد۔ دکن
ع۵۰ اثر اعتقاد، ص: 17،
ع۵۱ ایضاً مخطوطہ کے سرورق سے پہلے یہ واقعہ اختصاراً درج ہے، راقم کے پاس اس کی نقل بھی ہے۔
ع۵۲ شہیر اولیاء، ص: 114
ع۵۳ باقر آگاہ: مولفہ محمد یوسف کوکن مرحوم۔ مدراس یونیورسٹی۔ ص: 26
ع۵۴ ایضاً ص: 36
ع۵۵ نوائے ادب، بمبئی۔ جنوری 1954ء ص: 18
ع۵۶ رسالہ انجمن ترقیٔ اردو، اکتوبر 1942ء بحوالہ نوائے ادب بمبئی، جنوری 1954ء
صفحہ نمبر 8
ع۵۷ ع۵۸ ماہنامہ آفاق۔ نندیال، جولائی 1947ء مضمون سید کمال الدین شاہ کمالؔ کڈپوی۔ از محمد سخاوت مرزا ص: 21، ص: 17
ع۵۹ تاریخ ادب اردو: ج دوم، حصہ دوم: ڈاکٹر جمیل جالبی ص: 1206
ع۶۰ شہیری اولیاء: ص: 58۔

ع۶۱؎ اثر اعتقاد ، ص: ۱۷ ع۶۲؎ ایضاً ص: 6 (حاشیہ)

ع۶۳؎ ایضاً ص: 5

ع۶۴؎ گلدستۂ شہمیریہ ۔طبع اول 1976ء ص: 98 تا 102 ۔
ناشر آستانۂ شہمیریہ کڈاپہ

ع۶۵؎ شہمیری اولیاء ص 147، ع۶۶؎ ص: 148/

ع۶۷؎ ایضاً ص: 148/، ع۶۸؎ ص: 153

ع۶۹؎ تذکرۂ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ ۔ از محمد سخاوت مرزا
ص: 168 ۔ 1962ء ۔ انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچر
اسٹڈیز ۔ حیدر آباد

ع۷۰؎ ایضاً ص: 165

ع۷۱؎ عشقِ مصطفیؐ ۔ از حضرت سالک کڈپوی ۔ مطبوع در مطبع
غوثیہ مدراس ص: 20 اور 23

ع۷۲؎ تذکرۂ اردو مخطوطات ۔ جلد اول ، ص: 194

ع۷۳؎ شہمیری اولیاء ۔ ص: 69

ع۷۴؎ نوائے ادب ۔ بمبئی ۔ جنوری 1954ء مضمون سید شاہ
فقیر الدین مقبل میسوریؒ ص: 8 ، محمد سخاوت مرزا

ع۷۵؎ شہمیری اولیاء ۔ ص: 132

ع۷۶؎ نوائے ادب ۔ بمبئی ، جنوری 1954ء مضمون سید شاہ
فقیر الدین مقبل میسوریؒ ۔ ص: 10

ع۷۷؎ ایضاً ص: 11

ع۷۸؎ ایضاً ص: 9

ع۷۹؎ ایضاً ص: 17

ع۸۰؎ شہمیری اولیاء ص: 75

عـــ۸۱ــہ عارفین از سید عباس ایم اے؛ 1965ء۔ آستانۂ مخدوم اللّٰہی۔
امین پیر روڈ۔ کڈپہ ۔ ص: 89

عـــ۸۲ــہ ایضاً ص: 91

عـــ۸۳ــہ بیاض حضرت حقو ویلوری (مخطوطہ) ملکیتِ حضرت مولانا مولوی
حضرت محمد جعفر حسین فیضی صدیقی باقوی مدظلہٗ العالی۔ بیسمٗ بانیٔ
مدرسہ باقیات صالحات، ویلور و استاذ جامعۃ العلوم الثنائیہ کڈپہ

عـــ۸۴ــہ ماہ نامہ ’شانِ ہند‘ دہلی ۔ مدیر سرور تونسوی ۔ ص: 32
شمارہ ۵: اپریل 1957ء

عـــ۸۵ــہ ہفتہ وار ’ہماری زبان‘ علیگڈھ ۔ شمارہ ۵۵۔ جنوری 1957ء

عـــ۸۶ــہ مکتوب مولوی نصیرالدین ہاشمی حیدرآباد ۔ 1957-2-13
بنام جناب ادیب کڈپوی

عـــ۸۷ــہ ادیب کے سو شعر از لعل خاں ادیب کڈپوی مطبوعہ 1956ء

"عکسِ انتسابِ نظر"

• "یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے آپ کو نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے،
آپ کے تحقیقی مضامین ہماری معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کرتے ہیں۔ ساغر جیدی اور
علیم صبا نویدی پر آپ کے مضامین آپ کے بے پناہ شعور کا پتہ دیتے ہیں۔" کرامت علی کرامت

• "مضامین پڑھ کر میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ آپ نے بعض مضامین میں
تحقیقی کاوش کا ثبوت دیا ہے۔ اس طرح کے مضامین کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔"

عظیم الشان صدیقی

• "آپ نے سنجیدہ موضوعات کی طرف توجہ دی ہے۔ "مثنوی یوسف زلیخا کا نو
دریافت مخطوطہ"، "مثنوی در مدح ٹیپو سلطان"، "وشارم میں اردو کا ارتقاء" یہ
تمام عنوانات ایسے ہیں جن کو ہمارے ادب میں پہلی بار آپ نے موضوع گفتگو
بنانے کے ساتھ ہی ساتھ علیم صبا نویدی کی نعت گوئی پر مضمون لکھ کر آپ نے معاصر
فن کاروں کا بھی حق ادا کیا ہے۔" ملک زادہ منظور احمد

• "آپ نے اہلِ جنوب کی خدمات کو خوب ابھارا ہے۔ ص ۶۰ کا یہ شعر بہت لطف
کا ہے:۔ مدراسیوں میں نکلے اردو زبان والے ٭ اب کیا کریں گے دعوی ہندوستان والے
تمام تر مضامین معلومات افزا ہیں۔" گیان چند

• "اس بات سے خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی نقد و جستجو کا موضوع جنوب کے ادیبوں کو
بنایا ہے، علاقائی ادب کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ادیب جو اپنی جگہ اور اپنے علاقے
میں تو اہم ہوتے ہیں لیکن ملکی پیمانے پر بات کی جائے تو وہ بھیڑ بھاڑ میں گم ہو جاتے ہیں اس
کی طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ توسیعِ ادب کی بنیاد تو یہی حضرات فراہم کرتے ہیں اور جب
ان پر آپ کا پختہ کار قلم اٹھے تو ان کی حیثیت کو اعتبار حاصل ہوتا ہے۔" عتیق احمد صدیقی

• "آپ کو قسام ازل نے ایسی تخلیقی طبع بخشی ہے جو ایک طرف شاعری کے میدان میں
گل کھلا رہی ہے تو دوسری طرف کارزارِ نثر میں اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔" عنوان چشتی

CUDDAPAH-MEIN-URDU

BY

Moulana Zaheer Ahmed
RAHI FIDAYEE, M.A.,

ظہیر احمد راہی فدائی باقوی ایم۔اے،

کی دوسری تصانیف

۱۔ تشبیب	شعری مجموعہ	1984
۲۔ آمال	،،	1987
۳۔ ترقیم	،،	1990
٤۔ باقیات ایک جہاں	نثر	1983
۵۔ تجزیہ	،،	1988
٦۔ مسلک باقیات	،،	1991
۷۔ اکتساب نظر	،،	1991

Printed at
Tamilnadu Urdu Publications
Madras - 600 002.